Regd. S. No. 141

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پوسٹ بکس نمبر ۷۲۹۴ کراچی ۳

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۴۱

مجلس خدام الاحمدیہ کراچی کا روزنامہ خطبہ نمبر ۲۶

فی پرچہ ڈیڑھ آنہ

المصلح

۱۳ محرم الحرام ۱۳۷۳ھ

ایڈیٹر۔ عبدالقادر بی۔ اے

جلد ۶ ۔ ۲۳ تبوک ۱۳۳۲ھش ۔ ۲۳ ستمبر ۱۹۵۳ء ۔ نمبر ۱۴۶

ماریشس سے ایک احمدی دوست کی آمد

کراچی ۲۲ ستمبر کل برادرم محمد سوکیہ صاحب (Mohammad Sookia) معہ اہلیہ ماریشس سے دور دراز کا سفر طے کر کے (S.S. Karanja) جہاز سے بخیریت کراچی تشریف لائے۔ آپ چار پانچ روز کراچی قیام کرنے کے بعد اپنے پیارے امام ایدہ اللہ تعالےٰ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہونے کے لئے ربوہ روانہ ہو جائیں گے۔ ہم آپ کو آپ کی آمد پر اھلاً و سھلاً و مرحبا کہتے ہیں۔ اور دعا کرتے ہیں کہ آپ کا یہ سفر آپ کے لئے ہر طرح سے مبارک ہو۔ آمین (سکرٹری ضیافت جماعت احمدیہ کراچی)

قرارداد تعزیت

ربوہ ۲۱ ستمبر ممبران مجلس تحریک جدید نے اپنے اجلاس منعقدہ ۱۶/۹/۵۳ میں جملہ کارکنان تحریک جدید کی طرف سے حضرت سیدہ ام داؤد رضی اللہ عنہا کی وفات پر تعزیت کی قرارداد پاس کی۔

خطبہ جمعہ

اپنے نمونہ اور عمل کو ایسا پاکیزہ بناؤ کہ تم اپنی ذات میں مجسم تبلیغ بن جاؤ

اگر تم ایسا تغیر پیدا کر لو تو دنیا کی کوئی طاقت لوگوں کو تمہاری طرف مائل ہونے سے روک نہیں سکتی

از حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

(بمقام احمد آباد۔ سندھ)

(فرمودہ ۲۴ جولائی ۱۹۵۳ء)

سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

احمد آباد کی زمین ہمیشہ ہی

ایک الٰہی معجزہ کی یاد

دلاتی ہے۔ ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۷ء میں کسی عرصہ کی بات ہے کہ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ میں ایک جگہ پر کھڑا ہوں نہر کا کنارہ ہے کچھ اور دوست بھی میرے ساتھ کھڑے ہیں کہ اتنے میں زور کی آواز آئی۔ جیسے پانی گرنے یا آبشار کا شور ہوتا ہے۔ میں نے حیران ہو کر ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا۔ کہ یہ کیا بات ہے اس پر بعض دوستوں نے جو میرے ارد گرد تھے اوپر کی طرف اشارہ کیا۔ اور مجھے معلوم ہوا کہ نہر کا بند ٹوٹ گیا ہے۔ اور پانی تمام علاقہ میں پھیل گیا ہے۔ میں نے دیکھا کہ

پانی کا بہاؤ

ایسا تیز ہے جیسے کسی بڑے بھاری دریا کا بند ٹوٹ جاتا ہے۔ پانی سرعت کے ساتھ پھیلتا چلا جاتا ہے۔ اور ارد گرد کے گاؤں اور قصبات اس کی زد میں آتے چلے جاتے ہیں چنانچہ مجھے اس وقت کئی گاؤں اور قصبات نظر آتے ہیں۔ اور میں دیکھتا ہوں کہ جب پانی ان کے پاس پہنچتا ہے۔ تو وہ ان کے نیچے کی زمین کو اس طرح کاٹ کر پھینک دیتا ہے جس طرح زمیندار اپنے کھرپے سے گھاس کی جڑیں اکھیڑ دیتا ہے۔ پانی آتا ہے اور آن کی آن میں انہیں اچھال کر پرے پھینک دیتا ہے۔ چنانچہ بیسیوں گاؤں اور قصبات مجھے دکھائی دیئے۔ جو پانی کے اس بہاؤ کی وجہ سے برباد ہو گئے۔ لیکن پہلے تو وہ پانی پرے پرے جا رہا ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ جس جگہ پر ہم کھڑے ہیں وہ محفوظ ہے۔ لیکن اتنے میں جو دوست میرے ساتھ تھے۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ پانی کا رخ اب اس طرف پھر گیا ہے۔ اور وہ چکر کاٹ کر دائیں طرف سے بائیں طرف کو آنے لگا ہے۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے پیشتر اس کے کہ ہم بھاگ کر اپنے بچاؤ کی تدبیر کرتے

سیلاب نے ہمیں آلیا

اور جس جگہ ہم کھڑے تھے اس بند کے نیچے کی زمین اس نے کاٹ دی۔ اور ہمیں بھی پانی میں پھینک دیا۔ جب میں پانی میں گرا۔ تو میں نے تیرنا شروع کیا۔ مگر اس وقت پانی اتنا گہرا ہو گیا کہ یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ یہ کسی نہر کا پانی ہے۔ بلکہ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے گہرا دریا یا سمندر ہے۔ میں پیر لگانے کی کوشش کرتا۔ لیکن زمین مجھے ملتی نہیں تھی میں نے بعض دفعہ غوطہ لگا کر زمین کی تہ معلوم کرنے کی کوشش کی۔ مگر پھر بھی ناکام رہا۔ اور میں اسی طرح بہتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ میں نے سمجھا کہ اب فیروزپور آگیا ہے پھر میں فیروزپور سے آگے کی طرف بہتا چلا گیا۔ مگر میرا پاؤں کہیں لگا نہیں۔ اس وقت میں نے خدا تعالےٰ سے دعا کرنی شروع کی۔ اور یہ فقرہ میری زبان پر جاری ہوا۔ جو پہلے بھی کئی دفعہ شائع ہو چکا ہے۔ کہ

"یا اللہ سندھ میں تو پیر لگ جائیں"

یا اللہ سندھ میں تو پیر لگ جائیں" یہ دعا میں کرتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ میں نے محسوس کیا کہ اب پانی کم ہو گیا ہے۔ اور میں نے اپنے پاؤں زمین پر لگانے کی کوشش کی۔ تو میرے پاؤں لگ گئے۔ اور میں پانی سے باہر نکل آیا۔ یہ ۱۹۱۵ء سے ۱۹۱۷ء تک کے کسی سال کی بات ہے۔ جب مجھے خلیفہ ہوئے ابھی ایک سال یا دو سال یا تین سال ہی ہوئے تھے۔ اس وقت حالات ایسے تھے کہ ہماری جماعت کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں تھی اور نہ ہی دنیا میں وہ معروف تھی۔ ہمارا کوئی تبلیغی مشن بھی سوائے انگلستان کے اس وقت تک قائم نہیں ہوا تھا۔ جماعت کی تبلیغی جدوجہد صرف افراد تک محدود تھی یعنی اس غرض کے لئے مبلغ مقرر نہیں تھے۔ بلکہ احمدی افراد ہی تبلیغ کرتے اور لوگ ان کی وجہ سے احمدیت میں داخل ہو جاتے غرض اس وقت تک کوئی ایسے حالات نہ تھے۔ جن سے یہ ظاہر ہوتا۔ کہ ہماری جماعت کے لئے کہیں باہر جانے کا بھی موقعہ ہو گا اور کوئی ایسے حالات نہ تھے۔ جن سے یہ سمجھا جا سکتا کہ کسی وقت

ہم سندھ کی طرف جائیں گے

اور وہاں پناہ لیں گے۔ یہ خواب آئی اور وہ سال گزر گیا۔ پھر دوسرا سال آیا۔ اور گزر گیا تیسرا سال آیا۔ اور گزر گیا۔ چوتھا سال آیا اور گزر گیا۔ پانچواں سال آیا۔ اور گزر گیا۔ چھٹا سال آیا اور گزر گیا۔ ساتواں سال آیا اور گزر گیا۔ آٹھواں سال آیا اور گزر گیا نواں سال آیا اور گزر گیا۔ دسواں سال آیا اور گزر گیا گیارھواں سال آیا اور گزر گیا بارھواں سال آیا اور گزر گیا۔ تیرھواں سال آیا اور گزر گیا۔ تیرہ سال کے بعد ایک اخبار میں میں نے پڑھا۔ کہ گورنمنٹ نے سندھ میں نہروں کی ایک بڑی بھاری سکیم منظور کی ہے۔ اور وہاں بہت سی قابل کاشت زمین نکلی ہے۔ اس وقت گورنمنٹ کو یہ خیال بھی نہیں تھا کہ کوئی شخص اس زمین کو خریدے گا۔ زیادہ تر یہی خیال تھا کہ زمین تقسیم کی جائے گی۔ اور بہت سستی اور آسان شرائط پر لوگوں کو دے دی جائے گی۔ جس وقت یہ اعلان ہوا۔ مجھے اپنا رؤیا یاد آگیا۔ اور میں نے دوستوں سے کہا

عبدالقادر پرنٹر و پبلشر نے انجمن پریس لارنس روڈ کراچی سے طبع کرا کر دفتر المصلح میگزین لین کراچی سے شائع کیا

کہ یہ ایک اچھا موقعہ ہے۔ خواب میں مجھے سندھ کا علاقہ ہی دکھایا گیا تھا جہاں میرے پاؤں لگے۔ اور پنجاب کے دریاؤں کا بھی سندھ سے ہی تعلق ہے۔ پنجاب کے دو بڑے بھاری دریا ستلج اور بیاس فیروزپور کے پاس آکر ملتے ہیں۔ اور پھر پانچوں دریا دریائے سندھ میں شامل ہو جاتے ہیں غرض یہ اعلان پڑھ کر میں نے سوچا کہ اس علاقہ میں جو نہریں بننے والی ہیں۔ یہ ضرور خدائی حکمت کے ماتحت ہیں۔ اور

خدا تعالےٰ کا منشاء

یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہم ان زمینوں کو آباد کرنے کی کوشش کریں۔ چنانچہ میں نے دوستوں میں تحریک کی اور اخباروں میں بھی اعلان کروا دیا کہ اگر کوئی احمدی وہاں زمین خریدنا چاہے تو یہ بڑا عمدہ موقعہ ہے۔ مگر کسی نے اس طرف توجہ نہ کی۔ اس پر مجھے خیال پیدا ہوا کہ ہم ایک کمیٹی بنا کر یہ زمین خرید لیں۔ اور آگے چلکر دوسروں کے پاس فروخت کر دیں۔ چنانچہ ہم نے ایک کمیٹی بنائی۔ اور تیس ایک ایک سو روپیہ کا حصہ رکھا۔ دس حصے میں نے خریدے۔ آٹھ حصے انجمن نے خریدے۔ اور ایک ایک حصہ یا اس سے زیادہ بعض اور دوستوں نے خرید لئے۔ کل ۳۰ حصے تھے۔ اور ہمارا ارادہ تھا کہ جب تین ہزار روپیہ جمع ہو جائے گا۔ تو ہم اپنا آدمی بھجوا کر شرائط کا پتہ لیں گے اور اس کے بعد اگر ہم نے مناسب سمجھا تو ممکن ہے ہم یہ زمین خرید ہی لیں۔

چنانچہ روپیہ جمع ہوا اور ہم نے بعض دوست یہاں زمین دیکھنے اور شرائط وغیرہ معلوم کرنے کے لئے بھجوائے۔ جب ہمارے دوست یہاں آئے اور انہوں نے شرائط معلوم کیں۔ تو اس وقت ان زمینوں سے لوگوں کی اس قدر بے رغبتی تھی کہ گورنمنٹ کی طرف سے جو افسر مقرر تھا اس نے ہماری جماعت کے دوستوں سے کہا کہ اگر احمدی جماعت اس زمین کو آباد کرنے کی کوشش کرے تو ہم اسکو

کمیشن دینے کے لئے

تیار ہیں۔ مجھے جب ان دوستوں نے رپورٹ دی تو میں نے کہا کہ کمیشن کی بجائے اگر وہ کچھ حصہ زمین کا ہی ہمیں دے دے تو یہ زیادہ اچھا ہوگا۔ چنانچہ ہمارے نمائندہ نے اس سے بات کی۔ مگر چونکہ اس وقت ان زمینوں کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں تھی۔ اس لئے فیصلہ ہونے میں تین چار مہینے لگ گئے۔ اتنے میں کچھ گاہک بھی آنے لگ گئے۔ اس پر اس افسر نے کہا کہ اب تو ہمارا یہ ارادہ نہیں کہ ہم کسی کمیشن کے ماتحت یہ زمین دیں۔ اب ہم اس زمین کو فروخت کرنے یا ٹھیکے پر دینے کا ارادہ رکھتے ہیں اس وقت ہزاروں ایکڑ زمین پڑی تھی۔ اور گورنمنٹ ٹھیکے پر دے کر بھی خوش ہوتی تھی۔ جو صاحب یہاں آئے تھے انہوں نے میرے پاس رپورٹ کی کہ اس اس طرح زمین ملتی ہے اس وقت

ہماری تجویز یہ تھی

کہ دو حصے ٹھیکے پر لئے جائیں اور ایک حصہ خرید لیا جائے۔ یا ایک حصہ ٹھیکے پر لیا جائے اور دو حصے خرید لئے جائیں۔ لیکن ان کی اپنی رائے یہ تھی۔ کہ زمین خریدی نہ جائے۔ صرف ٹھیکے پر لی جائے۔ انہوں نے کہا میں نے سنا ہے کہ سندھ کی زمین کارآمد نہیں۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ یہ زمین ٹھیکے پر لے لی جائے۔ اس پر ہماری میٹنگ ہوئی کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ کچھ لوگوں کی یہ رائے تھی۔ کہ ہمیں یہ زمین خریدنی چاہیئے ٹھیکے پر نہیں لینی چاہیئے۔ اور

کچھ لوگوں کی یہ رائے تھی

کہ ہمیں یہ زمین ٹھیکے پر ہی لینی چاہیئے خریدنی نہیں چاہیئے۔ میری رائے دونوں کے درمیان تھی۔ کہ کچھ زمین خرید لی جائے اور کچھ زمین ٹھیکہ پر لے لی جائے۔ جن صاحب کی یہ رائے تھی کہ یہ زمین ٹھیکہ پر ہی لینی چاہیئے۔ انہوں نے جب یہ فیصلہ سنا تو انہوں نے اپنا حصہ چھوڑ دیا۔ اور صرف ۲۹ حصے رہ گئے حصہ دار صرف سات تھے۔ چنانچہ ہمارے آدمی یہاں زمین کا انتخاب کرنے کے لئے آئے۔ اور وہ زمین جہاں اب ڈپٹی سر اسٹیٹ ہے اس کے متعلق درخواست دے دی گئی۔ کہ ہم ۲۵ ہزار ایکڑ اس جگہ سے لینا چاہتے ہیں۔ یہ درخواست گورنمنٹ کو بھجوا دی گئی۔ مگر مہینوں گزر گئے اس کا کوئی جواب نہ آیا۔ پھر مہینوں گزرے اور اس کا کوئی جواب نہ آیا۔ جب بہت دیر ہو گئی۔ تو ہم نے اپنا آدمی بھجوایا کہ پتہ تو لو کہ بات کیا ہوئی؟ جب وہ متعلقہ افسر سے جا کر ملا۔ تو اس نے کہا کہ آپ کی درخواست تو پہنچ چکی ہے مگر ابھی ہم سوچ رہے ہیں۔ مجھے جب یہ جواب ملا تو

میں حیران ہوا

کہ سارے سندھ میں زمین تقسیم ہو رہی ہے لیکن ہماری درخواست کا کوئی فیصلہ ہونے میں ہی نہیں آتا۔ اور کہا جاتا ہے کہ ابھی غور ہو رہا ہے۔ آخر یہ غور کبھی ختم بھی تو ہونا چاہیئے مگر اس جواب پر ہم نے پھر انتظار کیا۔ مگر جب کچھ مدت تک کوئی جواب نہ ملا۔ تو میں نے پھر اپنا آدمی بھجوایا کہ جا کر پتہ لو کہ ہماری درخواست کا کیا بنا۔ اسے پھر یہی جواب دیا گیا کہ سوچ رہے ہیں تب میرے دل میں شبہ پیدا ہوا کہ ان لوگوں کو زمین دینے میں جو تردد ہے اور ہماری درخواست کو پیچھے ڈالا جا رہا ہے۔ اس میں ضرور کوئی بات ہے۔

پنجاب کے گورنر

سر اڈوائر جو ریٹائر ہو کر ملازمت چھوڑ چکے تھے ان سے چونکہ دوران ملازمت میں واقفیت تھی اس لئے خیال ہوا کہ ان کو لکھا جائے۔ کہ مسٹر ڈو سے جو سندھ کی زمینوں کے افسر تھے اور اس وقت چھٹی پر انگلستان گئے ہوئے تھے پوچھ کر حقیقت بتائیں۔ چنانچہ میں نے انگلستان کے مبلغ کو لکھا کہ اس اس طرح واقعہ ہوا ہے تم سر اڈوائر سے ملو اور انہیں کہو کہ ہمارے معاملہ کو اس طرح پیچھے ڈالا جا رہا ہے اس وقت اتفاقاً ڈو صاحب بھی وہیں موجود ہیں۔ آپ ان سے ملکر ہمیں بتائیں۔ کہ اس میں روک کیا ہے۔ اور کیوں ہماری درخواست کو منظور نہیں کیا جاتا۔ اس وقت انگلستان میں جو ہمارے مبلغ تھے ان کی اتفاقاً جارج لائڈ سے بھی واقفیت تھی جنہوں نے

بیراج ورکس کی سکیم

نکالی تھی۔ اور جو کچھ سال پہلے بمبئی کے گورنر تھے۔ چنانچہ انہوں نے ایک طرف تو میرا پیغام سر اڈوائر کو دیا اور دوسری طرف خود جارج لائڈ سے ملے۔ اور اسے کہا کہ ڈو آیا ہوا ہے۔ آپ اس سے ملکر پتہ لے دیں کہ ہماری درخواست کو کیوں منظور نہیں کیا جاتا چونکہ لارڈ جارج لائڈ سے ہمارے مبلغ کے تعلقات معمولی تھے۔ اس نے صرف اتنا کہہ دیا کہ میں نے ڈو سے آپ کی بات کہہ دی ہے۔ اور وہ اس کا خیال رکھے گا۔ لیکن سر اڈوائر چونکہ پنجاب رہ چکے تھے۔ اور ہمارے ساتھ اچھے تعلقات رکھتے تھے۔ انہوں نے ہمارے مبلغ سے کہا کہ گو مسٹر ڈو نے مجھے آپ کو یہ بات بتانے سے منع کیا ہے مگر چونکہ میرے آپ لوگوں سے گہرے تعلقات ہیں اس لئے میں وہ بات چھپا نہیں سکتا اور

صاف صاف کہہ دیتا ہوں

کہ وہ زمین آپ کی جماعت کو نہیں مل سکتی وہ انہوں نے انگریزوں کو دینی ہے۔ مسٹر ڈو نے مجھے بتایا ہے کہ گورنر بمبئی نے اسے لکھا ہے کہ مجھے وائسرائے کی چٹھی ملی ہے۔ کہ یہ زمین کسی اور کو نہ دی جائے بلکہ فلاں انگریز کو دی جائے۔ اس کے بعد میری کیا طاقت ہے کہ میں اس حکم کو رد کر دوں۔ اور یہ زمین انہیں دیدوں لیکن ادھر ان کی درخواست بھی آئی ہوئی ہے اور ان کی درخواست پہلے کی ہے اگر ہم اس درخواست کو رد کر دیں اور انگریزوں کو زمین دے دیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ

سارے ہندوستان میں شور

مچ جائے گا۔ کہ انگریز جو غیر ملکی ہیں ان کو تو زمین محض رسمی مقاطعہ پر دے دی گئی ہے۔ اور خود ہندوستانیوں کو زمین قیمتاً بھی نہیں دی گئی حالانکہ ان کی درخواست پہلے کی ہے۔ اس وجہ سے ہم خاموش ہیں اور ٹال رہے ہیں تاکہ ایک دن خود ہی یہ تنگ آکر چلے جائیں۔ اور ہم یہ کہہ سکیں کہ چونکہ اس زمین کا کوئی اور گاہک نہیں رہا۔ اس لئے ہم نے یہ زمین انگریزوں کو دے دی ہے۔ یہ حالات بتا کر سر اڈوائر نے کہا کہ آپ اس زمین کا خیال چھوڑ دیں۔ اور کسی اور زمین کے متعلق درخواست دے دیں۔ جب ہمیں یہ جواب ملا تو ہم نے پھر اپنے آدمی بھیجے کہ جاؤ اور پھر کسی زمین کا انتخاب کرو۔ چنانچہ وہ آئے اور انہوں نے اس

زمین کا انتخاب

کیا۔ جہاں اب احمد آباد اور محمود آباد ہیں۔ انہوں نے لکھا کہ یہ زمین بھی پہلی زمین کے ساتھ ہی ایک پہلو میں ہے۔ اور ایک ٹکڑہ اس کے اگلے رخ پر ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اٹھارہ سو ایکڑ محمود آباد میں اور اکیس بائیس سو ایکڑ احمد آباد میں خرید لئے جائیں۔ میں نے کہا اجازت ہے چنانچہ پھر ان دو ٹکڑوں کے متعلق درخواست دے دی گئی۔ مگر اس درخواست کے بعد پھر خاموشی طاری ہو گئی۔ اور جب کچھ عرصہ کے بعد ہم نے یاددہانی کرائی۔ تو پھر ہمیں یہی جواب ملا۔ کہ ہم غور کر رہے ہیں۔ ہم حیران ہوئے کہ یہ عجیب بات ہے کہ اور سب لوگوں کی درخواستیں منظور کر لی جاتی ہیں۔ اور جب ہماری درخواست آئے تو کہا جاتا ہے کہ ابھی ہم غور کر رہے ہیں۔ اس کی تہ میں ضرور کوئی بات ہے۔ چنانچہ ہم نے اپنا آدمی بھجوایا کہ وہ افسر انچارج سے ملے۔ اور اس بارہ میں گفتگو کر کے اس کے خیالات معلوم کرنے کی کوشش کرے۔ ڈو صاحب کو اس وقت ترقی مل گئی تھی۔ اور ان کی جگہ مسٹر گوڑوالہ ایک پارسی کام کر رہے تھے ان کا ایک پی۔ اے۔ نرائن داس تھا۔ چوہدری فتح محمد صاحب مسٹر گوڑوالہ سے ملے۔ اور اس سے پوچھا کہ بات کیا ہے۔ اس نے کہا

بات یہ ہے

کہ اس انگریز نے پھر درخواست دیدی ہے کہ یہ زمین بھی میرے مطالبہ میں شامل ہے۔ پھر اس نے کہا کہ میں ہوں تو پارسی لیکن میں سمجھتا ہوں یہ سخت ظلم ہے کہ انگریزوں کو زمین دے دی جائے۔ اور آپ لوگ جو اس ملک کے باشندے ہیں آپ کو زمین نہ دی جائے۔ لیکن میرے لئے کوئی رستہ کھلنا چاہیئے جس پر چلکر میں آپ لوگوں کا حق آپ کو دلا سکوں۔ اس نے کہا کہ ڈپٹی سر والوں کا ۲۰ ہزار ایکڑ زمین کا مطالبہ تھا ½۱۷ ہزار ایکڑ زمین انہوں نے منتخب کر لی ہے۔ اور ½۲ ہزار ایکڑ زمین ابھی باقی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب تک یہ ½۲ ہزار ایکڑ زمین بھی ہم منتخب نہ کر لیں۔ اس وقت تک یہ زمین کسی اور کو نہ دی جائے۔ جس وقت وہ یہ باتیں کر رہا تھا نرائن داس اسکے سامنے بیٹھا تھا۔ جب وہ اپنی بات ختم کر چکا تو نرائن داس کھڑا ہو گیا۔ یہ اس کا پی۔ اے تھا جیسے اس زمانہ میں چٹ نویس کہا کرتے تھے اس نے کھڑے ہو کر کہا صاحب کیا آپ سچ مچ ان کو زمین دینا چاہتے ہیں۔ اس نے کہا یہ بالکل درست ہے میں واقعہ میں ان کو زمین دینا چاہتا ہوں۔ اور مجھے یہ برا لگتا ہے کہ

انگریز یہ ساری جائداد لے جائیں

مگر میرے لئے کوئی راستہ ہونا چاہیئے جس پر چلکر میں انہیں زمین دے سکوں۔ نرائن داس نے کہا اگر آپ سچ مچ ان کو زمین دینا چاہتے ہیں۔ تو راستہ میں بتا دیتا ہوں۔ چنانچہ اس نے اپنی میز

میں سے ایک چٹھی نکالی۔ جو میجر زمینداری کی لکھی ہوئی تھی (یہ بھی انگریز تھے جنہوں نے اس زمین کا سودا کیا تھا) اور وہ مسٹر گوڑ والا کو پڑھ کر سنائی۔ اس چٹھی کا مضمون یہ تھا۔ کہ ہم نے بیس ہزار ایکڑ کی درخواست دی ہوئی تھی۔ جس میں سے ساڑھے سترہ ہزار ایکڑ زمین ہم نے چن لی ہے۔ باقی زمین چونکہ ردی ہے۔ اس لیے ہم وہ نہیں لینا چاہتے۔ جب اس نے یہ چٹھی نکال کر دکھائی۔ تو مسٹر گوڑ والا نے کہا۔ لاؤ کاغذ ابھی میں ان کی زمین کی

منظوری دیتا ہوں

اب مجھے قانونی حق حاصل ہو گیا ہے۔ جس کی بناء پر میں ڈپٹی سر کی درخواست کو رد کر سکتا ہوں۔ چنانچہ اس نے کاغذات پر دستخط کر دیے۔ اور یہ زمین ہمیں مل گئی۔ بعد میں ہمیں پتہ لگا۔ کہ میجر زمینداری نے جو اپنے نمائندے اس زمین کو دیکھنے کے لیے بھجوائے تھے۔ انہوں نے اپنے گھوڑے سامنے کی طرف سے ڈالنے کی بجائے پیچھے کی طرف سے ڈالے۔ چنانچہ جب وہ محمود آباد کے پاس پہنچے (ان کی زمین محمود آباد کے ساتھ ہی لگتی ہے) تو اتفاقاً وہاں کچھ ردی زمین تھی۔ انہوں نے اس ٹکڑہ کو دیکھتے ہی اپنے گھوڑے موڑ لیے۔ اور پھر وہ آگے گئے ہی نہیں۔ انہوں نے یہی خیال کر لیا۔ کہ یہ سب زمین ردی اور ناقابل کاشت ہے۔ ادھر احمد آباد کے پاس انہوں نے سڑک کے پاس سے زمین دیکھنی شروع کی۔ تو وہ حصے ان کے سامنے آئے جیسے اٹھارہ واٹر کورس والی زمین ہے۔ اور اس کو بھی انہوں نے ردی قرار دے دیا۔ اس طرح مگرمچھ کے منہ سے یہ لقمہ بچا۔ اس کے بعد گورنمنٹ سے کچھ

اور زمین خریدی گئی

چنانچہ اب ۳۲ سو ایکڑ محمود آباد میں اور ۲۲ سو ایکڑ ہی احمد آباد میں ہے۔ یہ ایک نشان تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہوا۔ کہ پہلے اس نے بتایا کہ سندھ میں ایک موقع نکلنے والا ہے۔ جو ہماری جماعت کی ترقی کا ایک ذریعہ ہو گا۔ اور مجھ سے رؤیا میں دعا کروائی۔ اور اس کے بعد انگریزوں سے ٹکر ہوئی۔ اور وائسرائے تک نے سفارش کی۔ مگر اتنی مخالفت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے منہ سے نکال کر یہ زمین ہمیں عطا کی اور محمود آباد اور احمد آباد میں ہمیں زمین مل گئی۔ اس کے بعد

ایک نئی صورت

یہ نکلی کہ ناصر آباد میں لاہور کے دو زمیندار آ گئے۔ اور انہوں نے وہ زمین خرید لی۔ مگر اس کے بعد ان دونوں میں لڑائی ہو گئی۔ اس پر ان دونوں میں سے ایک شخص قادیان میں میرے پاس آیا۔ اور اس نے کہا۔ کہ میں اپنا حصہ فروخت کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ میں نے اس سے زمین خرید لی۔ دوسرے حصہ دار نے اپنا حق گورنمنٹ کو واپس کر دیا۔ کہ میں اس زمین کی قیمت نہیں دے سکتا۔ جب اس نے گورنمنٹ کو یہ زمین واپس کی۔ تو اتفاقاً اس وقت ہمارا ایک عزیز وہاں موجود تھا۔ اس نے فوراً یہ زمین خرید لی۔ جس سے میں نے بوجہ مقاربت اور ہمسائیگت یہ زمین خود لے لی۔ اور اس طرح ناصر آباد کی آبادی کی صورت پیدا ہوئی۔

محمد آباد کی زمین

اس طرح ملی کہ یہ حصہ کسی نے شروع میں پانچ سال کے مقاطعہ پر لیا ہوا تھا۔ تحریک نے اس مقاطعہ کے دوران میں ہی اس زمین کی قیمت داخل کر دی اور کہا۔ کہ جب یہ مقاطعہ ختم ہو تو پھر یہ زمین ہماری ہو گی۔ چنانچہ مقاطعہ کے ختم ہونے پر محمد آباد کی زمین تحریک کو مل گئی۔ اس طرح صدر انجمن احمدیہ تحریک جدید اور بعض دوسرے احمدیوں کی ایک بہت بڑی جائیداد سندھ میں بن گئی۔ اس وقت یہ حالت تھی۔ کہ جب ہم نے یہ زمین لی۔ تو ہم نے اپنی جماعت کے دوستوں سے بار بار کہا۔ کہ یہ زمین خرید لو۔ مگر اس وقت ایک ایکڑ کی درخواست بھی کسی کی طرف سے نہ آئی۔ اس وقت صرف میں نے چھ سو ایکڑ زمین خریدی تھی۔ مگر اتفاق ایسا ہوا۔ کہ شروع میں گھاٹا ہونا شروع ہوا۔ اس پر ایک بیوہ جو حصہ دار تھی۔ اس نے کہا۔ کہ میں اس گھاٹے کو برداشت نہیں کر سکتی۔ اور اس نے اپنی

اڑھائی سو ایکڑ زمین

میرے پاس فروخت کر دی۔ اس کے بعد ایک اور ساتھی گھبرا گیا۔ اور اس نے بھی اپنا اڑھائی سو ایکڑ میرے پاس فروخت کر دیا۔ غرض مختلف حصہ داروں نے گھبرا گھبرا کر اپنی زمین بیچنی شروع کر دی۔ اس طرح محمود آباد میں جو نئی زمین خریدی گئی تھی۔ وہ بھی اور کچھ پرانی زمین بھی میرے پاس آ گئی۔ گویا جماعت کی بے توجہی کے باوجود اور گورنمنٹ کی مخالفت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان پیدا کر دیے۔ کہ یہاں ایک بہت بڑی جائیداد ہماری جماعت کی قائم ہو گئی۔ اس دوران میں نواب عبداللہ خاں صاحب جو پہلے اس بات کی تائید میں تھے کہ صرف مقاطعہ پر زمین لینی چاہیے خریدنی نہیں چاہیے۔ انہیں چونکہ ادھر بار بار آنا پڑا۔ اور افسروں سے ان کے تعلقات ہو گئے۔ اس لیے گورنمنٹ نے انہیں نواب شاہ میں مقاطعہ پر کچھ زمین دے دی۔

نصرت آباد کی زمین

اس وقت کسی اور کے پاس مقاطعہ پر تھی۔ وہ غریب خاندان میں سے تھا۔ جب روپیہ آیا۔ تو اس نے بے تحاشا اس روپیہ کو لٹانا شروع کر دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ مقروض ہو گیا اور گورنمنٹ کو قسطیں ادا نہ کر سکا۔ اس پر اس نے چاہا۔ کہ کسی اور سے اس زمین کا تبادلہ کر لے۔ نواب عبداللہ خاں صاحب کو جب یہ معلوم ہوا۔ تو وہ اس سودے میں کود پڑے۔ کیونکہ انہیں یہ فائدہ نظر آیا۔ کہ اس طرح ہم سب احمدی ایک جگہ اکٹھے رہیں گے۔ چنانچہ اس نے نواب شاہ والی زمین لے لی اور میاں عبداللہ خاں صاحب نے نصرت آباد والی زمین لے لی۔ اس عرصہ میں ڈپٹی سر نے یہاں

ایک فیکٹری بنائی

ہم نے انہیں کہا۔ کہ ہمیں بھی اس فیکٹری میں شامل کر لو۔ یہ فیکٹری کپاس بیلنے والی تھی۔ انہوں نے ایسی شرطیں پیش کر دیں۔ جن کے نتیجہ میں انہیں تو ہم سے فائدہ پہنچ سکتا تھا مگر ہمیں کوئی فائدہ نہیں تھا۔ لیکن ہم نے کہا۔ بہت اچھا ہمارا حصہ ڈال لو۔ چنانچہ اس پر ہمارے دوست ان سے ملے اور وہ ہمارے دوستوں سے ملے۔ انہوں نے ہمیں اپنے پاس بلوایا۔ اور ہم نے ان کی دعوت کی۔ اور اس موضوع پر گفتگو شروع ہوئی۔ انہوں نے کہا۔ کہ آپ ہمیں دو لاکھ روپیہ دے دیں۔ اور اس کے بعد جو آمد ہو۔ اس میں سے چھ آنے آپ کے اور دس آنے ہمارے ہوں گے۔ ہم نے دوستوں سے مشورہ کیا۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ ایک لاکھ میں تو یہ پریس لگا لیں گے۔ اور ایک لاکھ ان کے باقی سارے کارخانہ کی قیمت ہے۔ گویا یہ چاہتے ہیں کہ ان کے کارخانہ کی قیمت بھی انہیں مل جائے۔ پریس بھی لگوا لیں۔ اور پھر ہمارے روپیہ سے ہی تجارت کر کے چھ آنے ہمیں دے دیں۔ اور دس آنے اپنے پاس رکھیں۔ چنانچہ ہم نے ان پر زور دیا۔ کہ ان شرطوں کو کچھ نرم کیا جائے۔ مگر انہوں نے شرطیں نرم نہ کیں۔ اس پر خدا تعالیٰ نے میرے دل میں تحریک پیدا کی کہ

کنری میں جگہ لو

اور وہاں اپنا کارخانہ بناؤ۔ چنانچہ کنری میں ہم نے اس وقت کارخانہ بنایا ہے۔ جب وہاں ایک جھونپڑی بھی نہیں تھی۔ ہمارے کارخانے کی بدولت ہی یہ کنری شہر بنا ہے۔ اس طرح خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہمیں کارخانہ بھی دے دیا۔ اور پھر اس کارخانہ کی وجہ سے وہاں آبادی ہو گئی۔ اور شہر بن گیا۔ اسی طرح نبی سر روڈ میں بھی جو آبادی ہوئی۔ وہ اسی اسٹیٹ کی وجہ سے ہے۔ اور جس دن خدا تعالیٰ نے ہمیں نبی سر روڈ میں دوکانیں اور مکان بنانے کی توفیق عطا فرما دی۔ تم دیکھو گے کہ یہ بھی

ایک اچھا خاصہ شہر

بن جائے گا۔ صرف دو جگہیں باقی رہ گئی ہیں۔ ایک ناصر آباد اور ایک محمد آباد۔ ناصر آباد تو ریل سے دو میل پرے ہے۔ لیکن محمد آباد سٹیشن سے قریب ہے۔ اور گو ابھی وہاں کوئی شہر نہیں لیکن اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسے سامان پیدا ہو رہے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ٹالی بھی عنقریب شہر بننے والا ہے۔ یہ ایک الٰہی تصرف تھا۔ جس کے ماتحت اس علاقہ میں ہمیں اتنی بڑی زمین مل گئی۔ ہمارے ملک میں ایک گاؤں عموماً پانچ سو ایکڑ میں بسایا جاتا ہے۔ اور یہاں ہماری جماعت کے افراد صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کی جو زمین ہے۔ اگر اس کو جمع کیا جائے۔ تو اکیس ہزار ایکڑ بنتی ہے۔ گویا اگر ہم پنجاب کے نمونہ پر یہاں گاؤں بسانا چاہیں۔ تو ۴۲ گاؤں بسا سکتے ہیں۔ پھر ہماری یہ زمین

ریلوے لائن کے قریب

ہے۔ اور ہماری اپنی جننگ فیکٹری اور پریس وغیرہ ہے۔ غرض ایک بہت بڑی جائیداد ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے۔ گو بدقسمتی سے ہم اپنی اس جائیداد کو ابھی تک ایسے رنگ میں نہیں لا سکے۔ کہ سلسلہ کو معتد بہ آمد ہو سکے۔ کئی سال کے بعد اب صدر انجمن کا زمینی قرضہ اترا ہے۔ مگر تحریک کا ابھی آٹھ لاکھ کے قریب قرض باقی ہے۔ اس کی زمین کی قیمت زیادہ تر چندوں سے ادا کی گئی۔ اور کچھ اسی زمین کی آمد سے اور کچھ دوستوں سے قرض لے کر ان زمینوں سے زیادہ اچھی آمد نہ ہونے میں کچھ ہمارے انتظام کے نقص کا بھی دخل تھا۔ کیونکہ شروع میں ہمیں ایسے کارکن ملے۔ جو زیادہ تجربہ کار نہیں تھے مگر اب بظاہر حالات ایسے نظر آتے ہیں۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ تو

ان زمینوں سے زیادہ آمد

شروع ہو جائے گی۔ کیونکہ کچھ تو اخراجات پر تصرف کر لیا گیا ہے۔ اور کچھ زمین اس طرح درست ہو گئی ہے۔ کہ اب آسانی سے اسکی نگرانی کی جا سکتی ہے۔ ٹیلے وغیرہ کاٹ دیے گئے ہیں۔ گڑھے پُر کر دیے گئے ہیں جھاڑیاں ہٹا دی گئی ہیں۔ اور ایسی صفائی ہو گئی ہے۔ کہ اب ایک نظر ڈال کر سب زمین کو دیکھا جا سکتا ہے۔

جب میں پہلی دفعہ یہاں آیا ہوں۔ تو اس وقت اس علاقہ میں ریلوے لائن نہیں تھی۔ ہم جھڈو سٹیشن پر اترے۔ اور گھوڑوں پر سوار ہو کر یہاں آئے۔ اس وقت یہاں جنگل کی یہ حالت تھی۔ کہ ہم حیدر آباد سے ایک موٹر اپنے لیے لے آئے تھے۔ میرپور خاص کی بھی اس وقت کوئی حقیقت نہیں تھی۔ جب ہم احمد آباد سے محمود آباد گئے۔ تو ہم نے ایک آدمی موٹر میں پہلے بھجوا دیا۔ کہ وہ ہمارے پہنچنے سے پہلے دوستوں کو ہمارے آنے کی اطلاع دے دے۔ تھوڑی دور تک جانے کے بعد اس نے موٹر ٹھہرایا اور واپس آ کر کہا۔ کہ کیا آپ کی طرف سے ہم وہاں یہ بھی کہہ دیں۔ کہ آپ کے پہنچنے سے پہلے دستر خوان پر کھانا لگا دیا جائے۔ کیونکہ اس وقت آپ کو بھوک لگی ہوئی ہو گی۔ میں نے کہا۔ کہہ دیا جائے۔ مگر اس وقت

رستوں کی یہ کیفیت تھی

کہ موٹر دو گھنٹہ بعد پہنچا۔ اور ہم گھوڑوں پر ان سے پہلے پہنچ گئے۔ جب موٹر وہاں پہنچا۔ تو میں نے ان سے مذاقاً کہا۔ کہ آپ نے تو ہمارے لیے کھانا نہیں لگوایا۔ مگر ہم نے آپ کے لیے کھانا لگا رکھا ہے۔ پھر محمود آباد کے جنگل کی اس قدر خطرناک حالت تھی کہ

رات کو کوئی شخص اکیلا پاخانہ کے لئے نہیں جا سکتا تھا۔ بلکہ تین آدمی مل کر جاتے تھے ایک پاخانہ بیٹھتا تھا۔ اور دوسرا ہاتھ میں لالٹین لئے پچاس یا سو فٹ پر کھڑا رہتا تھا۔ اور پھر اس سے پچاس یا سو فٹ کے فاصلہ پر ایک اور شخص اپنے ہاتھ میں لالٹین لئے کھڑا ہوتا تھا۔ اور پھر تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک دوسرے کو آواز دیتے تھے۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں کیونکہ بڑی

کثرت کے ساتھ سانپ

ہوا کرتے تھے اور کئی ایسے زہریلے ہوتے تھے۔ کہ اِدھر سانپ کاٹتا تھا۔ اور اُدھر وہ شخص مر جاتا تھا۔ ہمارے آنے سے چند دن پہلے ہی یہاں ایک تحصیلدار دورہ کے لئے آیا۔ وہ کرسی پر بیٹھ کر کام کرتا رہا۔ جب وہ تھک گیا۔ تو اس نے اپنا پاؤں نیچے لٹکایا۔ مگر اِدھر اس نے اپنا پاؤں زمین پر رکھا۔ اور اُدھر فوراً اُسے کسی سانپ نے ڈس لیا۔ اور وہ مر گیا۔ غرض یہ حالت تھی اس علاقہ کی مگر اب یہ حالت ہے۔ کہ لائل پور اور سرگودھا کی طرح یہ علاقہ بھی ترقی کر رہا ہے۔ اور آٹھ دس سال کے بعد کسی کو خیال بھی نہیں رہیگا۔ کہ یہاں جنگل ہوا کرتا تھا۔ اور لوگ اس علاقہ میں آتے ہوئے اور رات کو باہر نکلتے ہوئے ڈرا کرتے تھے۔ ہمارا کوئی دورہ محمود آباد اور احمد آباد کا ایسا نہیں ہوا کرتا تھا۔ جس میں ہمیں سانپ کاٹے کا علاج نہ کرنا پڑتا ہو۔ مگر اب اللہ تعالےٰ کے فضل سے بہت ہی شاذ کوئی ایسا کیس ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالےٰ نے اس جگہ کو

ایک نشان کے طور پر

بنایا ہے۔ جیسے اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مکہ کی بنیاد رکھوائی۔ اور ان سے یہ دعا کروائی۔ کہ اے خدا تو اس وادی غیر ذی زرع کو برکت دے۔ اور یہاں ایسے لوگ آئیں۔ جو تیرے نام کو بلند کرنے والے اور تیرے دین کی خدمت کرنے والے ہوں۔ اسی کے نمونہ اور نقش قدم پر خدا تعالےٰ نے یہ نشان دکھایا ہے۔ اور ہمیں ایسی جگہ لے آیا۔ جہاں ہمارے آنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔ ایسی جگہ لے آیا جہاں گورنمنٹ تک ہمیں زمین دینے کی مخالف تھی۔ اور ایسی جگہ لے آیا۔ جہاں اس وقت ریل تک بھی نہیں تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے

اس مقام کو برکت دی

اور جب ریل گذری۔ تو اللہ تعالےٰ کے فضل کے ماتحت ریل کی پٹڑی ایسی جگہ رکھی گئی۔ کہ ہر جگہ ہماری ہی زمینیں ریلوے لائن کے قریب آئیں۔ اور ڈیرہ والے پیچھے رہ گئے۔ چنانچہ احمد آباد کی زمین نبی سر روڈ کے قریب ہے۔ جو ریلوے سٹیشن ہے۔ محمد آباد کی زمین کے قریب ٹالہی سٹیشن بنا اور محمود آباد کے قریب کنری کا سٹیشن بنا۔ اور ناصر آباد کے قریب کنجیجی کا سٹیشن بنا۔ غرض ریل بھی گذری تو ایسی طرز پر کہ وہ ہماری ہی زمینوں کو طاقت دیتی چلی گئی۔ یہ ایک الٰہی نشان ہے۔ جو ظاہر ہوا۔ اور جس کی اہمیت ہماری جماعت کے افراد کو اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے۔ احمد آباد میں جب ہم پہلی دفعہ آئے۔ تو یہاں صرف دو کمرے تھے۔ جن میں مینیجر رہا کرتا تھا۔ اور باقی لوگ جھونپڑوں میں رہا کرتے تھے۔ پھر اس سال جب ہم ناصر آباد گئے۔ تو میرے ٹھیرنے کے لئے جو جگہ بنائی گئی۔ وہ ایک درخت کے نیچے تھی۔ گھاس پھونس کی چھت ڈال کر ایک جھونپڑا سا بنا لیا گیا تھا جس میں میں نے رہائش اختیار کی۔ مگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے

دیکھتے ہی دیکھتے

ہماری حالت بدل دی۔ اور مکان بھی بن گئے۔ اور احمدی مزارعین بھی آ گئے۔ مگر یہ دولت اور زمین اسی وقت مفید ہو سکتے ہیں۔ اور یہ احمدی اسی وقت بابرکت ہو سکتے ہیں۔ جب یہ سب کچھ خدا تعالیٰ کے کام آئے۔ صرف ہمارے کام آنا ہمارے لئے کسی خوشی کا موجب نہیں ہو سکتا۔ یوں تو عیسائیوں کے پاس بھی بڑی جائیدادیں ہیں۔ ہندوؤں کے پاس بھی بڑی جائیدادیں ہیں۔ یہودیوں کے پاس بھی بڑی جائیدادیں ہیں۔ اور اسی طرح اور کئی قوموں کے پاس بڑی جائیدادیں ہیں۔ اگر اسی رنگ میں ہمارے پاس بھی کچھ جائیدادیں ہو جائیں۔ تو یہ ہمارے لئے کسی فخر کا موجب نہیں ہو سکتیں۔ ہماری جائیدادیں ہمارے لئے تبھی فخر کا موجب ہو سکتی ہیں۔ اور تبھی ہم ان کے ملنے پر خوشی محسوس کر سکتے ہیں۔ جب وہ خدا کے کام آئیں۔ اور

خدا تعالےٰ کے کام

ہمارے اموال اور ہماری جائیدادیں اسی رنگ میں آسکتی ہیں۔ جب ہم لوگوں کے دلوں کو خدا تعالیٰ کی طرف مائل کر سکیں۔ ان کے کینہ اور بغض کو دور کر سکیں۔ اور وہ خود ہم سے حقیقت حال معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ اور جب وہ ہمارے قریب آئیں۔ تو ہمارے عملی نمونہ کو دیکھ کر ان کے دل بالکل صاف ہو جائیں۔ بغض ان کے دلوں سے نکل جائے۔ اور وہ صداقت کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ پھر یہاں کی زمین اس طرح بھی خدا کے کام آسکتی ہے۔ کہ یہ زمین ہمیں اتنا نفع دینے لگے۔ کہ اسکی آمد سے ہم بیرونی ممالک میں اور زیادہ تبلیغی مشن قائم کر دیں۔ ہمارے بیسیوں مشن عیسائی ممالک میں ہوں۔ بیسیوں مشن ہندوستان میں ہوں۔ بیسیوں مشن سکھوں میں کام کر رہے ہوں۔ بیسیوں مشن چینیوں میں کام کر رہے ہوں۔ بیسیوں مشن جاپانیوں میں کام کر رہے ہوں۔ غرض

تمام دنیا میں اشاعت اسلام

ہو رہی ہو۔ اور ہر جگہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام بلند کیا جا رہا ہو۔ مگر ابھی یہ زمینیں ہمیں اتنا نفع نہیں دے رہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پنجاب سے دسواں حصہ کم روپیہ یہ زمینیں ہمیں دے رہی ہیں۔ پنجاب میں ایک مربع عام طور پر اڑھائی ہزار روپیہ سالانہ ٹھیکہ پر چڑھتا ہے۔ ہمارے ایک دوست ہیں۔ جن کے سات مربعے ہیں۔ اور وہ سات مربعے ۱۲ ہزار روپیہ ٹھیکے پر چڑھے ہیں۔ تحریک جدید کا سندھ میں چار سو مربع ہے۔ اس لحاظ سے اسے بارہ لاکھ سالانہ کی آمدن ہونی چاہیئے۔ لیکن ان زمینوں نے صرف پچھلے دو سالوں میں ایک لاکھ روپیہ دینا شروع کیا ہے۔ غرض پنجاب اور سندھ کی زمینوں کا آپس میں کوئی مقابلہ ہی نہیں۔ وہاں بعض دفعہ ایک ایک مربع پانچ پانچ سات سات ہزار روپیہ پر بھی چڑھ جاتا ہے۔ اگر پانچ ہزار روپیہ پر یہاں بھی ایک مربع چڑھے تو تحریک جدید کو بیس لاکھ روپیہ اور اگر سات ہزار پر چڑھے تو ۲۸ لاکھ روپیہ ملنا چاہیئے۔ مگر ہمیں صرف ایک لاکھ روپیہ ملتا ہے۔ پس جہاں تک

آمد کا سوال ہے

یہاں کی زمینوں کی آمد پنجاب کی آمد کے پاسنگ بھی نہیں۔ بلکہ پنجاب کی آمد کے مقابلہ میں بیسواں حصہ بھی نہیں۔ جتنی زمین سے وہاں بیس روپے کمائے جاتے ہیں۔ اتنی زمین سے یہاں ایک روپیہ بھی نہیں کمایا جا سکتا۔ پس وہ دن تو ابھی دور ہے۔ جب اس زمین سے ہمیں اس قدر نفع حاصل ہونا شروع ہو جائے۔ کہ ہم دنیا کے گوشہ گوشہ میں اپنے تبلیغی مشن قائم کر سکیں۔ لیکن ہم اتنا تو کر سکتے ہیں۔ کہ اس نشان کی طرف لوگوں کو توجہ دلائیں۔ اور انہیں بتائیں کہ اس زمانہ میں صرف احمدیت ہی

خدا تعالےٰ کے زندہ نشانات

کو پیش کرتی ہے۔ اور اس کے ساتھ وابستگی انسان کے اندر حقیقی تقوےٰ پیدا کرتی اور اس کا خدا تعالیٰ سے سچا تعلق پیدا کر دیتی ہے۔

حقیقت یہ ہے

کہ سچائی کے لئے کسی بڑی نمائش کی ضرورت نہیں ہوتی۔ سچائی انسان کے عمل سے ثابت ہو جاتی ہے۔ اور خواہ کتنا ہی کسی کو دبایا جائے۔ کتنا ہی کسی کو مٹایا جائے۔ اگر اس کے دل میں نور ہو۔ تو وہ کبھی چھپ نہیں سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

سنایا کرتے تھے

کہ ایک شخص کے دل میں ریا ء تھا۔ اس نے مسجد میں رات دن عبادت شروع کر دی تاکہ کسی طرح وہ لوگوں میں ولی مشہور ہو جائے۔ لیکن باوجود سارا دن عبادت کرنے کے اور ہر وقت مسجد میں رہنے کے جب وہ باہر نکلتا تو لڑکوں نے اس سے مذاق کرنا اور عورتوں نے بھی اس کی طرف انگلیاں اٹھا کر کہنا کہ یہ بڑا منافق انسان ہے۔ اس کے دل کے کسی گوشہ میں بھی ایمان نہیں پایا جاتا۔ محض ریاکاری کے لئے نمازیں پڑھتا ہے۔ یہاں تک کہ چھ سات سال گذر گئے۔ وہ برابر لوگوں میں بزرگ اور ولی مشہور ہونے کے لئے نمازیں پڑھتا رہا۔ اور لوگ اسے منافق اور ریاکار کہتے رہے۔ آخر سات سال گزرنے پر اسے خیال آیا۔ کہ میں نے تو اپنی عمر برباد کر دی۔ جس چیز کو حاصل کرنے کے لئے میں نمازیں پڑھتا رہا۔ وہ اب تک مجھے حاصل نہیں ہوئی۔ میں چاہتا تھا۔ کہ لوگوں میں ولی مشہور ہو جاؤں مگر لوگ مجھے منافق اور ریاکار کہتے رہے۔ اب میں اس بے ایمانی کو چھوڑتا ہوں۔ اور خالص اللہ تعالیٰ کے لئے عبادت کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ جنگل میں چلا گیا۔ اس نے وضو کیا۔ اور پھر نماز میں کھڑے ہو کر

اللہ تعالےٰ سے دعا

کی۔ کہ الٰہی اتنے عرصہ تک میں نے بناوٹی ولی بننے کی کوشش کی۔ مگر نہ میں بناوٹی ولی بنا اور نہ ہی مجھے تو ملا۔ اب دنیا والے مجھے جو چاہیں کہیں۔ مجھے ان کی پروا نہیں۔ میں صرف تیری رضا کے لئے عبادت کروں گا۔ اور صرف تجھ سے تعلق رکھوں گا۔ اس کے بعد وہ مسجد میں آیا۔ اور اس نے اللہ تعالےٰ کی رضا کے لئے سچے دل سے عبادت شروع کر دی۔ ابھی اُس کے اس عزم پر چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے تھے۔ کہ لوگ اس کی طرف انگلیاں اٹھا کر اشارہ کرنے لگے۔ کہ یہ تو بڑا بزرگ ہے۔ اس کے چہرے سے تو خدا تعالےٰ کا نور ظاہر ہوتا ہے۔ تو جب کوئی خدا کا ہو جائے۔ تو لوگ اسے تبلیغ سے خواہ کتنا روکیں۔ آپ ہی آپ تبلیغ ہوتی چلی جاتی ہے۔ کیونکہ اس کا چہرہ بتا رہا ہوتا ہے۔ کہ اس پر

خدائی نور چمک رہا ہے

لوگ ایک دوسرے کو اسکی طرف آنے سے روکتے ہیں۔ مگر خدا آپ لوگوں کے دلوں میں تحریک کرتا ہے۔ اور انہیں ہدایت کے قبول کرنے کے لئے کھینچ کر لے آتا ہے۔ اور جب خدا کسی کو آپ تحریک کرے۔ تو اور کون ہے جو اسے روک سکے۔ یہ لوگ زید کو کہہ سکتے ہیں۔ کہ تم کسی کو مت تبلیغ کرو۔ اور زید اس ہدایت کی پابندی کریگا۔ لیکن جب خدا کسی سے کہیگا کہ جا اور زید سے جا کر پوچھ کہ یہ کیا بات ہے۔ تو وہ اس شخص کو زید کے پاس آنے سے کس طرح روک سکیں گے۔ وہ تو کہے گا۔ کہ مجھے خدا نے تمہاری طرف بھیجا ہے۔ میں اس وقت تک یہاں سے نہیں ٹلوں گا۔ جب تک میں تم سے یہ دریافت نہ کر لوں۔ کہ وہ کیا چیز ہے۔ جو تم دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہو۔ دنیا میں کوئی انسان ساری دنیا پر حکومت نہیں کر سکتا وہ اس کے صرف ایک حصہ پر حکومت کر سکتا ہے یا وہ اس کے صرف ایک ٹکڑے پر حکومت کر سکتا ہے وہ ایک وقت کیلئے ساری دنیا کی کچھ چیزوں پر بھی حکومت کر سکتا ہے۔ لیکن ساری دنیا میں ساری چیزوں پر ہمیشہ کے لئے صرف

خدا ہی کی حکومت

ہوتی ہے۔ کسی یورپین فلاسفر نے یہ ایک نہایت ہی سچی بات کہی ہے۔ کہ تم دنیا کے ایک حصہ کو ہمیشہ کے لئے دھوکا دے سکتے ہو۔ تم ساری دنیا کو کچھ دنوں کے لئے بھی دھوکا دے سکتے ہو لیکن تم ساری دنیا کو ہمیشہ کے لئے دھوکا نہیں دے سکتے۔ جس طرح یہ ایک بہت بڑی سچائی ہے۔ جو اس نے بیان کی۔ اسی طرح یہ بھی اس سے کم سچائی نہیں۔

کہ انسان دنیا کے کچھ حصوں پر لمبے عرصہ کے لئے حکومت کر سکتا ہے۔ انسان ساری دنیا پر کچھ دنوں کے لئے حکومت کر سکتا ہے۔ لیکن سارے انسانوں پر اور ساری دنیا پر ہمیشہ کے لئے خدا کی ہی حکومت ہوتی ہے۔ اس لئے کبھی بھی نہیں ہوا کہ دنیا کی کوئی حکومت روک سکے۔ کوئی سچائی نہیں جسے دنیا کی کوئی بادشاہت دبا سکے۔ کیونکہ جب خدا کے قبضہ میں سب دل ہیں۔ اور وہ خود انسانی قلوب پر قابض اور متصرف ہے۔ اور وہ آپ کسی سے کہے۔ کہ جاؤ۔ اور اس ہدایت کو تسلیم کر لو۔ تو کونسی چیز ہے جو اس کو ہدایت پانے سے روک سکتی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے زمانہ میں ایک شخص نے سنا۔ کہ مکہ میں کسی شخص نے نبوت کا دعوی کیا ہے۔ اس نے اپنے بھائی سے کہا کہ جاؤ۔ اور تحقیقات کر کے آؤ کہ یہ کیا بات ہے۔ وہ مکہ میں آیا۔ تو قریش اور دوسرے بڑے بڑے سردار اس سے ملے اور اس سے پوچھا۔ کہ تم مکہ میں کس طرح آئے ہو۔ اس نے کہا۔ میں اس لئے آیا ہوں کہ اس شخص سے ملوں جس نے نبوت کا دعوی کیا ہے۔ اور اس کے حالات دریافت کروں۔ انہوں نے کہا کہ تم بھی عجیب آدمی ہو کہ اتنی دور سے اس کے حالات معلوم کرنے کے لئے آ گئے۔ وہ تو پاگل ہے۔ اور اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ ہم اس کے رشتہ دار ہیں۔ اور اس کے حالات کو خوب جانتے ہیں۔ وہ تو بڑا فریبی اور ٹھگ انسان ہے تم اس کے پاس جا کر اپنے وقت کو کیوں ضائع کرتے ہو۔ تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔ کہ تم واپس چلے جاؤ چنانچہ وہ

مکہ سے واپس آ گیا

اس کے بھائی نے اس سے پوچھا کہ سناؤ تم نے کیا تحقیقات کی۔ اس نے کہا۔ وہ تو ایک ٹھگ اور فریبی انسان ہے۔ بھائی نے کہا۔ تمہارے پاس اس کی کیا دلیل ہے۔ کیا تم خود اس شخص سے ملے تھے۔ اور اس سے تم نے باتیں کی تھیں۔ اس نے کہا۔ میں تو نہیں ملا مگر مجھے اس کے رشتہ دار مل گئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے یہی بیان کیا۔ تو انہوں نے بتایا کہ وہ بڑا دھوکے باز انسان ہے۔ اس لئے میں اس کے پاس گیا ہی نہیں۔ اس کے بھائی کے دل میں تقوی تھا۔ اس نے جب یہ بات سنی۔ تو اپنے بھائی کو ڈانٹا۔ اور کہا۔ کہ تجھے شرم نہیں آتی۔ تو نے دوسروں کی بات پر اعتبار کر لیا۔ اور واپس آ گیا۔ تجھے تو اس لئے بھجوایا گیا تھا کہ تو خود جا کر اپنے کانوں سے اس کی باتیں سنتے اور اپنی آنکھوں سے اس کے حالات دیکھے۔ نہ یہ کہ جو کچھ لوگ کہتے ہیں اسے سن کر واپس آ جائے۔ یہ تو ہم یہاں بیٹھے بھی جانتے ہیں کہ لوگ اس کی مخالفت کرتے ہیں اور اسے برا بھلا کہتے ہیں۔ اب میں خود جاؤں گا۔ اور اس سے مل کر آؤں گا۔ چنانچہ وہ خود مکہ میں گیا۔

مکہ میں داخل ہوتے ہی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف رشتہ دار اسے مل گئے۔ اور انہوں نے پوچھنا شروع کر دیا کہ کہاں سے آئے ہو۔ اور مکہ میں تمہارا کیا کام ہے۔ اس نے کہا میں فلاں قبیلہ سے آیا ہوں اور یہاں مجھے ایک ضروری کام ہے۔ انہیں شبہ پڑ گیا۔ کہ کہیں یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے لئے ہی نہ آیا ہو۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ اچھا ہم تمہیں ایک بات بتلائے دیتے ہیں۔ تم یہاں جس کام کے لئے آئے ہو وہ تو بے شک کرو۔ لیکن اتنا ضرور یاد رکھنا کہ یہاں ایک شخص نے نبوت کا دعوی کیا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ تمہیں مل جائے۔ اور تمہیں ورغلانے کی کوشش کرے۔ تم اس کے پھندے میں نہ پھنسنا وہ بڑا چالباز اور فریبی انسان ہے۔ اور ہم اس کے حالات کو خوب جانتے ہیں ہمارا وہ قریبی رشتہ دار ہے۔ اور ہم جانتے ہیں۔ کہ وہ ٹھگی کر رہا ہے۔ چنانچہ اس بات کو مزید پختہ بنانے کے لئے کسی نے کہا کہ میں اس کا چچا ہوں۔ کسی نے کہا کہ میں اس کی پھوپھی کا بیٹا ہوں۔ کسی نے کہا کہ میں اس کا بھائی ہوں۔ اور ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس نے محض

ایک دوکان کھولی ہے

اور چاہتا ہے۔ کہ کسی طرح لوگ اس کے پھندے میں پھنس جائیں۔ اور اسے عزت اور شہرت حاصل ہو جائے۔ اس نے کہا۔ آپ تسلی رکھئے۔ میں ایسا بیوقوف نہیں ہوں کہ اس کی باتوں میں آ جاؤں جب اس نے مکہ والوں کی مخالفت دیکھی اور اس نے سمجھ لیا۔ کہ ان لوگوں کو آپ سے بلا وجہ بغض ہے۔ تو اس نے مناسب سمجھا کہ اس بارہ میں مزید احتیاط کی جائے اور کسی شخص سے کچھ دریافت نہ کیا جائے۔ صرف اپنے طور پر اس شخص کو تلاش کرنے کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ اس نے بازاروں میں اور گلیوں میں گھومنا شروع کیا کہ شاید اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہیں نظر آ جائیں مگر آپ اسے کہیں دکھائی نہ دیئے۔ کیونکہ ان دنوں چونکہ شدید مخالفت تھی اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقم کے گھر میں بیٹھ کر تبلیغ کا کام کیا کرتے تھے۔ اس لئے باوجود سارا دن وہ باہر پھرنے کے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں کامیاب نہ ہو سکا۔ شام کے قریب اسے

حضرت علی رض

ملے اور انہوں نے کہا۔ کہ آج میں نے تمہیں سارا دن مکہ کا چکر لگاتے دیکھا ہے۔ کیا تمہیں یہاں کچھ کام ہے۔ اس نے کہا کام تو ہے مگر ابھی جس غرض کے لئے میں آیا تھا وہ پوری نہیں ہوئی۔ انہوں نے پوچھا کہ کیا تمہارا کوئی ٹھکانا بھی ہے۔ اس نے کہا۔ ٹھکانا تو کوئی نہیں حضرت علی رض نے کہا کہ پھر میرے ساتھ چلو اور جس مکان میں میں ٹھہرا ہوا ہوں وہیں رات گزار لو چنانچہ وہ حضرت علی رض کے ساتھ آیا۔ آپ نے اسے کھانا کھلایا۔ اور پھر وہ آپ کے مکان کے ایک کونے میں ہی سو گیا۔ اسے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ جس شخص سے ملنے کے لئے میں مکہ میں آیا ہوں وہ بھی اسی مکان میں رہتا ہے۔ دوسرے دن وہ پھر صبح کو نکلا۔ اور شام تک دوسرا دن پھرتا رہا۔ حضرت علی رض نے اسے پھر دیکھ لیا کہ وہ مکہ کی گلیوں میں اپنی جوتیاں گھسا رہا ہے چنانچہ وہ پھر شام کو آپ سے ملے۔ اور کہا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا کام ابھی ہوا نہیں۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں۔ کہ آپ کو کیا کام ہے۔ اس نے کہا مجھے ایک آدمی کی تلاش ہے۔

حضرت علی نے کہا

... پھر کیا آج بھی کوئی ٹھکانا ہے یا نہیں۔ اس نے کہا کہ ٹھکانا تو کوئی نہیں حضرت علی رض اسے ساتھ لے گئے کھانا کھلایا۔ اور اپنے مکان میں سونے کو جگہ دی۔ تیسرے دن وہ پھر صبح کو اٹھا۔ اور اس نے گلیوں اور بازاروں کا چکر لگانا شروع کر دیا۔ اور شام تک اسی طرح پھرتا رہا پھر حضرت علی رض اسے ملے اور اسے اپنے مکان پر لے آئے کھانا کھلایا اور سونے کو جگہ دی جب وہ صبح اٹھ کر باہر جانے لگا۔ تو حضرت علی رض نے کہا کہ میزبان پر مہمان کا اور مہمان پر میزبان کا حق ہوتا ہے۔ تین دن تمہیں یہاں پھرتے گزر گئے۔ اب تو بتاؤ کہ تم کس غرض کے لئے آئے ہو۔ تاکہ اگر میں بھی کچھ تمہاری مدد کر سکوں۔ تو مدد کروں اس نے کہا میں وہ بات اس لئے نہیں بتاتا کہ ڈرتا ہوں مکہ والے مخالفت نہ کریں۔ آپ نے کہا میں

تم سے وعدہ کرتا ہوں

کہ تمہاری بات کا کسی اور سے ذکر نہیں کروں گا۔ اس نے کہا کہ اگر آپ دیانتداری کے ساتھ یہ وعدہ کرتے ہیں۔ تو پھر میں آپ کو یہ بتاتا ہوں کہ میں یہاں اس لئے آیا ہوں کہ میں نے سنا ہے۔ یہاں کسی شخص نے نبوت کا دعوی کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس سے ملوں اور خود اس کے حالات دریافت کروں حضرت علی رض نے کہا تم نے ناحق اپنے تین دن ضائع کر دیئے اگر یہی بات تھی۔ تو تم نے پہلے کیوں نہ بتا دی چنانچہ وہ اسے اس جگہ لے گئے۔ جہاں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے۔ اور آنے جانے والوں کو تبلیغ کرتے تھے۔ اس نے آپ کی باتیں سنیں اور مسلمان ہو گیا اور مسلمان ہونے کے بعد کچھ دنوں تک رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا۔ جب کئی دن گزر گئے۔ تو اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ کہ اب مجھے واپس جانے کی اجازت دیجئے۔ اور ساتھ ہی اس بات کی بھی اجازت دیجئے۔ کہ کچھ دنوں تک میں اپنے دل کی بات کو مخفی رکھوں آپ نے فرمایا۔ بہت اچھا اجازت ہے۔ اس پر وہ باہر نکلے اور اپنے قبیلہ کی طرف واپس جانے لگے۔

عربوں میں رواج تھا

کہ جب وہ مکہ میں داخل ہوتے یا کہیں باہر جانے کے لئے مکہ سے نکلتے۔ تو خانہ کعبہ کا ضرور طواف کیا کرتے تھے۔ اس دستور کے مطابق وہ بھی خانہ کعبہ کا طواف کرنے کے لئے گئے۔ تو انہوں نے دیکھا۔ کہ وہاں ابوجہل اور دوسرے بڑے بڑے سردار بیٹھے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہہ رہے ہیں۔ اسلام پر ہنسی اڑا رہے ہیں۔ اور بڑے فخر کے ساتھ باتیں کر رہے ہیں۔ انہیں نے جب یہ باتیں سنیں۔ تو ان کا جوش ایمان ظاہر ہو گیا۔ اور وہ غصہ سے ان کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ اور کہنے لگے

اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد ان محمدا رسول اللّٰہ ان کا لا الٰہ الا اللّٰہ کہنا تھا کہ سب لوگ جوش میں آ گئے اور ان پر ٹوٹ پڑے اور انہیں خوب مارا پیٹا وہ مارتے جاتے تھے۔ اور یہ بار بار کہتے چلے جاتے تھے کہ لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ پیٹتے پیٹتے بہت ہی نڈھال ہو گئے۔ تو اتفاقاً

حضرت عباس رض وہاں سے گذرے

اور انہوں نے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے۔ اور اسے کیا ہو گیا ہے۔ لوگوں نے کہا۔ کہ یہ صابی ہو گیا ہے۔ اور خانہ کعبہ میں کفر بکتا ہے۔ حضرت عباس رض آگے بڑھے اور انہوں نے ان سے پوچھا کہ تم کہاں کے رہنے والے ہو انہوں نے کہا کہ میں غفار قبیلہ کا رہنے والا ہوں۔ اور غفار قبیلہ اس جگہ پر تھا۔ جہاں سے مکہ والوں کا قافلہ گزرتا تھا حضرت عباس نے جب یہ بات سنی تو انہوں نے مکہ والوں سے کہا کہ کمبختو تمہاری عقل ماری گئی ہے۔ بیشک یہ مسلمان ہو گیا ہے مگر ہماری قوم میں پیچ ہوتی ہے۔ اگر غفار قبیلہ والوں کو پتہ لگا کہ مکہ والوں نے ہمارے ایک غفاری کو مارا ہے۔ تو وہ مکہ میں غلہ نہیں آنے دیں گے۔ اور تم بھوکے مر جاؤ گے۔ اس پر انہیں چھوڑ دیا۔ دوسرے دن پھر طواف کرنے کے لئے گئے تو دیکھا۔ کہ پھر اسلام کو گالیاں دی جا رہی ہیں۔ انہوں نے پھر بلند آواز سے کلمہ شہادت پڑھا اور لوگوں نے پھر انہیں مارنا شروع کر دیا اتفاقاً پھر حضرت عباس رض آ گئے۔ اور انہوں نے آپ کو ان کے ظلم سے چھڑا یا۔ تیسرے دن بھی اسی طرح ہوا۔ اور پھر وہ اپنے قبیلہ میں واپس آئے۔ اب دیکھو غفار قبیلہ میں

اسلام کی تبلیغ کس نے پہنچائی

کون اسے کہنے کے لئے گیا تھا۔ کہ آؤ۔ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سنو کوئی مسلمان نہیں تھا جس نے اسے تبلیغ کی ہو۔ کوئی مسلمان نہیں تھا جس نے اسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام دیا ہو۔ صرف زمین و آسمان کا خدا تھا جس نے ابوذر غفاری رض کو اس طرف متوجہ کیا۔ اور اسے کہا کہ جا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سن۔ پس اگر ہر مسلمان کی زبان بند کر دی جائے اگر ہر مسلمان کو تبلیغ سے روک دیا جائے۔ اگر ہر مسلمان کو خدا اور اس کے رسول کا پیغام پہنچانے سے منع کر دیا جائے۔ تب بھی خدا کا پیغام رک نہیں سکتا۔ خدا خود آسمان سے لوگوں کے دلوں پر الہام نازل کرے

اور وہ خود بخود ہدایت کی طرف دوڑے چلے آتے ہیں۔ میرے پاس بیسیوں خطوط اس قسم کے آتے ہیں۔ کہ ہم نے فلاں خواب دیکھی ہے جس کی وجہ سے ہم احمدیت کو قبول کرتے ہیں ابھی امریکہ سے وہاں کے مبلغ نے ایک شخص کی چٹھی بھجوائی ہے جو احمدی ہوئے ہیں اور جس میں اس نے لکھا ہے کہ میں نے رویا میں دیکھا ہے کہ ایک شخص بلند آواز سے کہہ رہا ہے

آج زمانہ میں محمود سے بڑھ کر اسلام کا کوئی خادم نہیں ہے

اسی طرح بعض لوگ لکھتے ہیں کہ ہمیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نظر آئے اور آپ نے ہمیں کہا کہ اس شخص کو قبول کر لو۔ اور جب خدا کسی کو آپ بتائے گا کہ یہ سچائی ہے تو خدا تعالیٰ کی بتائی ہوئی بات کو رد کرنے کی کون شخص طاقت رکھتا ہے گورنمنٹ دروازوں پر پہرہ لگا سکتی ہے گورنمنٹ مکانوں پر پہرہ لگا سکتی ہے مگر گورنمنٹ جبریل کی زبان پر کس طرح پہرہ لگا سکتی ہے۔ گورنمنٹ یہ کس طرح اعلان کر سکتی ہے کہ جبریل کسی کو کوئی بات نہ بتلائے یا کسی کو کوئی ایسی خواب بھی نہ آئے جس میں اُسے سچائی کی خبر دی گئی ہو۔ دنیا کی کوئی طاقت اور حکومت نہیں جو ایسا کر سکے۔ دنیا کی کوئی طاقت اور حکومت نہیں جو اس بات کو روک سکے جس بات کو خدا دنیا میں پھیلانا چاہتا ہو۔

پس یہ جگہ خدا تعالیٰ کے نشانوں کی جگہ ہے اور تم جو اس مقام پر بس رہے ہو

تمہارا فرض ہے

کہ اپنے اندر ایسی نیک تبدیلی پیدا کرو کہ تمہیں دیکھنے والے یہ بات محسوس کریں کہ تم ایک نئی چیز ہو۔ دنیا میں جب بھی کوئی ایسی چیز نظر آئے جو غیر معمولی ہو تو لوگ اس کے متعلق خود بخود دریافت کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ کیا چیز ہے اور اس کی کیا حقیقت ہے۔

میں ایک دفعہ قادیان میں دریا پر سیر کیلئے گیا جب ہم کشتیوں پر سوار ہوئے اور وہ چلنے لگیں۔ تو ایک دوست نے اس وقت قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی کہ بسم اللہ مجریھا ومرسٰھا۔ یہ آیت ایسی ہے جسے ننانوے فی صدی مسلمان غلط پڑھتے ہیں یعنی بجائے مجرٖھا پڑھنے کے وہ مجرَیھا پڑھتے ہیں۔ چنانچہ مجھے اس کے متعلق

ایک لطیفہ یاد ہے

قادیان میں ایک عرب رہتے تھے جو حافظ بھی تھے ایک دفعہ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ درس دے رہے تھے کہ یہی آیت آ گئی آپ نے فرمایا میں دوستوں کو ہوشیار کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ عام طور پر لوگ اس آیت کو غلط پڑھتے ہیں پھر آپ حافظ صاحب کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا کیوں حافظ صاحب کیا یہ درست ہے یا نہیں کہ لوگ عموماً یہ آیت غلط پڑھتے ہیں انہوں نے کہا ہاں حضور لوگ غلط پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا۔ میں نے دیکھا ہے کہ ننانوے فی صدی مسلمان یہ آیت غلط پڑھتے ہیں۔ حافظ صاحب نے بھی کہا کہ ہاں حضور درست یہی ہے کہ ننانوے فی صدی مسلمان یہ آیت غلط پڑھتے ہیں۔ آپ نے ہنس کر فرمایا عرب صاحب کہیں وہی بات نہ ہو جائے جو اپنے زمانہ میں ایک عالم کے ساتھ ہوئی تھی۔ پھر آپ نے سنایا کہ سیبویہ جو نحو کا ایک بہت بڑا عالم گزرا ہے وہ ایک دفعہ ایک

عباسی خلیفہ کی مجلس

میں بیٹھا تھا۔ کہ کسی لفظ کے متعلق بحث شروع ہو گئی۔ سیبویہ نے کہا کہ یہ لفظ یوں ہے۔ اور بادشاہ کے استاد نے کہا کہ یوں ہے۔ بادشاہ کو سیبویہ پر غصہ آیا کہ جب بادشاہ کا استاد کہتا ہے کہ یہ لفظ یوں ہے تو تم اس کے خلاف کیوں کہتے ہو۔ سیبویہ نے کہا کہ حضور شہر کے باہر بعض قبائل تجارت کیلئے آئے ہوئے ہیں۔ اُن کی زبان زیادہ شستہ اور صاف ہوتی ہے۔ آپ ان میں سے کسی کو بلا کر پوچھ لیجئے کہ یہ لفظ کس طرح ہے۔ بادشاہ نے کہا بہت اچھا اور اس نے ایک شخص کو بھجوا دیا کہ وہ باہر جا کر کسی شخص کو اپنے ساتھ لے آئے۔ وہ شخص جو قبائلیوں کو بلانے کیلئے بھیجا گیا تھا۔ وہ بادشاہ کا خوشامدی تھا۔ راستہ میں انہیں سمجھاتا چلا آیا کہ بادشاہ کے استاد اور سیبویہ کی آپس میں بحث شروع ہو گئی ہے۔ سیبویہ کہتا ہے کہ یہ لفظ یوں ہے اور

ہمارے بادشاہ کا استاد

کہتا ہے۔ کہ یوں ہے۔ تم سے بھی اس بارہ میں دریافت کیا جائیگا۔ تم بھی اسی طرح کہنا جس طرح بادشاہ کا استاد کہتا ہے۔ اسی طرح تمہیں بادشاہ کی طرف سے انعام مل جائیگا جب وہ دربار میں آئے۔ تو بادشاہ نے کہا دیکھو فلاں عالم کہتا ہے کہ یہ لفظ اس طرح ہے اور سیبویہ کہتا ہے کہ اس طرح ہے تم بتاؤ کہ یہ لفظ کس طرح ہے۔ انہوں نے کہا حضور جو آپ کا استاد کہتا ہے وہی ٹھیک ہے سیبویہ صرف نحو کے لحاظ سے اسلامی دنیا میں سب سے بڑا آدمی سمجھا جاتا ہے۔ اور وہ بڑا ذہین آدمی تھا۔ فوراً سمجھ گیا کہ اس سے یہ بات کہلوائی گئی ہے۔ چنانچہ سیبویہ نے کہا کہ حضور اس سے کہئے کہ یہ لفظ بول کر دکھلائے چنانچہ جب اس نے بولا تو اس طرح بولا جس طرح سیبویہ کہتا تھا چونکہ اس کو اسطرح بولنے کی عادت پڑی ہوئی تھی اسلئے گو اس نے کہہ تو دیا کہ یہ لفظ اسطرح ہے جسطرح بادشاہ کا استاد کہتا ہے مگر بولتے وقت عادت غالب آ گئی۔ اور وہی بات درست نکلی جو سیبویہ کہتا تھا۔ کہیں وہی بات اب بھی نہ ہو۔ اسلئے عرب صاحب آپ پہلے آیت پڑھ کر سنائیں۔ عرب صاحب نے آیت پڑھی۔ تو

مجلس زعفران کا کھیت بن گئی!

کیونکہ عرب صاحب نے بھی غلط آیت پڑھی جس طرح عوام پڑھتے ہیں۔ ہاں تو میں یہ واقعہ بتا رہا تھا کہ میں دریا پر سیر کیلئے گیا تو ایک شخص جو شکل و صورت سے زمیندار معلوم ہوتا تھا اس نے قرآن کریم کی یہ آیت بالکل صحیح پڑھی کہ بسم اللہ مجریھا ومرسٰھا چونکہ لوگ عموماً یہ آیت غلط پڑھتے ہیں میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس سے دریافت کرنا چاہیئے کہ اس نے یہ آیت ٹھیک کس طرح پڑھ لی جبکہ مسلمان عموماً اس آیت کو غلط پڑھتے ہیں۔ چنانچہ میں نے ایک دوست سے کہا کہ وہ اس سے دریافت کریں کہ انہوں نے کہاں تعلیم پائی ہے۔ ہمارے اس دوست نے بجائے اس کے کہ وہ اس سے سیدھی طرح دریافت کرتے کہ آپ نے کہاں تعلیم پائی ہے انہوں نے

مختلف سوالات شروع

کر دیئے۔ آپ کہاں سے آئے ہیں کدھر جا رہے ہیں۔ کیا کام کرتے ہیں۔ اس پر وہ شخص گھبرا گیا۔ اور اس نے کہا کہ کیا آپ پولیس افسر ہیں کہ مجھ سے ایسے سوالات کر رہے ہیں۔ آپ کی جو غرض ہے وہ بتائیے۔ بلا ضرورت سوالات کرنے کا کیا فائدہ ہے۔ اس پر میں خود آگے بڑھا۔ اور میں نے کہا۔ کہ بات دراصل یہ ہے کہ میں نے ہی ان سے کہا تھا۔ کہ آپ سے دریافت کریں کہ آپ نے کہاں تعلیم پائی ہے کیونکہ آپ نے ابھی قرآن کریم کی ایک آیت بالکل صحیح پڑھی ہے حالانکہ بعض مولوی تک اس آیت کو غلط پڑھتے ہیں۔ میرے دل میں

شوق پیدا ہوا!

کہ میں اس بارہ میں آپ سے دریافت کروں مگر انہوں نے بجائے سیدھی طرح سوال کرنے کے ادھر ادھر کے سوالات شروع کر دیئے جس سے آپ کو تکلیف ہوئی ہے۔ اس پر اس نے بتایا کہ میں فلاں گاؤں کا رہنے والا ہوں اور وہاں ایک بزرگ کا جو اس کے دادا یا چچا تھے نام لیکر کہا کہ انہیں علم کا بڑا شوق تھا۔ انہوں نے دیوبند سے خاص طور پر ایک قاری بلوا کر اپنے خاندان کے افراد اور گاؤں کے دوسرے بچوں کو قرآن کریم پڑھوایا تھا اور اسی وجہ سے میں یہ آیت ٹھیک پڑھ سکا ہوں۔ تو دنیا میں جب کوئی عجیب چیز نظر آتی ہے تو لوگ آپ ہی آپ اسکے متعلق دریافت کرنا شروع کر دیتے ہیں مجھے چونکہ یہ ایک عجیب بات نظر آئی کہ ایک ایسا شخص جو زمیندار معلوم ہوتا ہے اس نے قرآن کریم کی وہ آیت جو عموماً غلط پڑھی جاتی ہے صحیح پڑھی ہے۔ اسلئے میں نے اس سے یہ پوچھا کہ یہ کیا بات ہے اور جب پوچھا۔ تو اس نے بتایا کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ دیوبند سے ایک قاری بلوا کر ہمیں قرآن کریم پڑھایا گیا تھا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص

نیک اعمال بجا لائے

نیکی اور تقویٰ میں نمونہ بن جائے۔ ہر قسم کے بُرے اور ناپسندیدہ کاموں سے بچے لوگوں کی خیر خواہی اور اُن کی ترقی کے کاموں میں حصہ لے تو ہر شخص اُس سے خود بخود پوچھیگا۔ کہ اس دنیا میں رہتے ہوئے آپ کس قسم کے اعمال بجا لا رہے ہیں۔ یہ دنیا تو بے نمازی ہے مگر آپ پانچوں وقت نماز پڑھتے ہیں۔ یہ دنیا بے روزہ ہے مگر آپ باقاعدہ روزے رکھتے ہیں۔ یہ دنیا فریب کاری اور مکاری سے کام لیتی ہے۔ مگر آپ ہر قسم کے فریب اور مکر کے کاموں سے بچتے رہتے ہیں۔ یہ دنیا دوسرے لوگوں کے اموال کو کھا جاتی ہے مگر آپ اُن کے اموال کی حفاظت کرتے ہیں آپ آخر کہاں سے آ گئے ہیں۔ تو وہ کہے گا کہ میرا وطن احمدیت ہے اس پر وہ کہیگا کہ اگر احمدیت ایسی ہی چیز ہے جو خدا سے تعلق پیدا کر دیتی ہے۔ تو میں اس احمدیت کو قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ غرض تمہارا

اپنا عمل اور تمہارا چلن

سب سے بڑی تبلیغ ہے اگر تم اپنے عمل کو درست رکھو اور اپنا چلن پاکیزہ بناؤ تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا تمہاری طرف خود بخود متوجہ نہ ہو۔ پس اس نشان سے فائدہ اٹھاؤ اور اپنے اندر ایک نیک تبدیلی پیدا کرو۔ میں نے بتایا ہے کہ یہ دنیا ہی نشان ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے مکہ میں ظاہر فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب بیت اللہ کی بنیادیں اٹھائیں۔ تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کی تھی کہ الٰہی میں اولاد کو یہاں اس لئے بسا رہا ہوں۔ تاکہ وہ تیرے دین کی اشاعت کرے تیرے ذکر کو بلند کرے اور تیری عبادت میں اپنی عمر بسر کرے یہی مقاصد ہیں جو ہر جگہ کے بسنے والوں کو بھی اپنے مد نظر رکھنے چاہئیں کیونکہ خدا جب کوئی نشان دکھاتا ہے۔ تو اس لئے دکھاتا ہے کہ لوگ اپنے اندر تبدیلی پیدا کریں۔ اور وہ دنیا کو چھوڑ کر دین کی خدمت میں اپنے آپ کو لگا دیں۔ پس ان بستیوں میں بسنے والوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے اعمال کا ہمیشہ جائزہ لیتے رہیں اور

نیکی اور تقویٰ میں ترقی

کرنے کی کوشش کریں۔ خدا تعالیٰ کے اس عظیم الشان نشان کو دیکھتے ہوئے ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے چال چلن کو درست کریں۔ اور اپنا نمونہ لوگوں کے سامنے پیش کریں۔ اگر تم اپنا نیک نمونہ دکھاؤ تو بغیر اس کے کہ تم اپنی زبان سے ایک لفظ نکالو لوگوں کے دل تمہاری طرف آپ ہی آپ کھنچے چلے جائیں گے اور وہ یہ سمجھیں گے کہ جو کچھ تم کہتے ہو ٹھیک ہے۔ جب انسان کو دوسرے کے متعلق یقین پیدا ہو جاتا ہے تو پھر وہ اسے جھوٹا نہیں کہہ سکتا۔ بعض دفعہ بیویاں جھوٹی ہوتی ہیں مگر انہوں نے اپنے خاوندوں کو دبایا ہوا ہوتا ہے اور خاوند ان کی شرافت کے قائل ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر دس شریف آدمی بھی مل کر کہیں کہ تمہاری بیوی جھوٹی ہوتی ہے تو وہ کبھی نہیں مانتے اسی طرح بعض بیویوں کو اپنے خاوندوں پر یقین ہوتا ہے اگر اُن کی بیویوں کو کہا جائے کہ تمہارے خاوندوں نے فلاں جرم کیا ہے تو وہ نہیں کہیں گی کہ ہمارے خاوند تو بڑے نیک اور پارسا ہیں غرض جب کسی شخص کی سچائی کے متعلق یقین پیدا ہو جائے۔ تو انسان اس کے متعلق اپنے عقیدہ میں ایسا پختہ ہو جاتا ہے۔ کہ وہ اس کے پیچھے چلنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔ پس اپنے آپ کو ایسا بناؤ کہ تمہیں دیکھنے والا اور تمہاری باتوں کو اپنے کانوں سے سننے والا ہر شخص اس یقین پر قائم ہو جائے کہ جو کچھ تم کہتے ہو وہ ٹھیک ہے اگر تم اپنے اندر تغیر پیدا کرکے لوگوں کے دلوں میں اپنے متعلق ایسا یقین اور وثوق پیدا کر دو تو یقیناً دنیا کی کوئی طاقت لوگوں کو تمہاری طرف مائل ہونے سے روک نہیں سکتی وہ خود بخود تمہاری طرف کھنچے چلے آئیں گے اور جو کچھ تم کہو گے اس کو صحیح اور درست سمجھیں گے

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سنایا کرتے تھے

ایک دوست میاں نظام الدین صاحب ہوا کرتے تھے انہیں حج کا بڑا شوق تھا سات حج انہوں نے اپنی زندگی میں کئے تھے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھی دوست تھے اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے بھی دوست تھے۔ میاں نظام الدین صاحب ایک دفعہ حج سے واپس آئے تو لوگوں نے انہیں بتایا۔ کہ آپ کا ایک دوست تو پاگل ہو گیا ہے۔ اور اس نے عجیب و غریب دعوے شروع کر دیئے ہیں۔ اور دوسرے دوست نے اس پر کفر کا فتویٰ لگا دیا ہے۔ انہوں نے حیران ہو کر پوچھا۔ کہ کیا ہوا۔ اس پر انہیں بتایا گیا۔ کہ مرزا صاحب کہتے ہیں۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں۔ اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے انہیں کافر قرار دے دیا ہے۔ وہ کہنے لگے میں مولوی محمد حسین کو جانتا ہوں۔ اسکی طبیعت میں جوش پایا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ تحقیق نہیں کرتا۔ اور مرزا صاحب کو بھی میں جانتا ہوں۔ وہ قرآن کریم کے خلاف کبھی کوئی بات نہیں کر سکتے۔ انہیں ضرور کوئی غلطی لگی ہے۔ یا لوگ ان کے متعلق جھوٹ بولتے ہیں۔ بہرحال میں اتنا ضرور جانتا ہوں۔ کہ اگر مرزا صاحب کو قرآن کریم سے کوئی بات دکھا دی جائے۔ تو وہ اس کے خلاف نہیں جا سکتے۔ پھر کہنے لگے اچھا۔ اب میں اس جھگڑے کو نپٹانے کی کوشش کرتا ہوں۔ اور پہلے مرزا صاحب کے پاس جاتا ہوں۔ تاکہ ان سے دریافت کروں۔ کہ بات کیا ہے۔ چنانچہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس قادیان پہنچے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں دیکھتے ہی فرمایا۔ میاں نظام الدین صاحب حج سے واپس آ گئے انہوں نے کہا حضور حج سے تو واپس آ گیا ہوں۔ مگر یہاں پہنچتے ہی میں نے ایک ایسی بات سنی ہے۔ جس کی وجہ سے میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کیا بات سنی ہے انہوں نے کہا میں نے سنا ہے۔ کہ آپ کہتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو گئے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا یہ ٹھیک ہے۔ میں یہی کہتا ہوں۔ کیونکہ قرآن کریم سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ اگر قرآن سے اس کے خلاف بات ثابت ہو۔ تو ہم اس کو چھوڑنے کے لئے تیار ہیں۔ وہ کہنے لگے الحمد للہ میرے دل پر سے ایک بڑا بوجھ اتر گیا۔ میں یہی کہتا تھا۔ کہ مرزا صاحب قرآن کے خلاف

نہیں ہو سکتے۔ اب آپ بتائیں کہ اگر میں قرآن کریم سے سو آئتیں ایسی لے آؤں جن سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ تو کیا آپ اپنے عقیدہ کو چھوڑ دیں گے۔ وہ چونکہ ہر وقت یہی سنتے چلے آئے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں۔ اس لئے سمجھتے تھے کہ اس کے متعلق سو آئتیں تو قرآن کریم میں ضرور ہوں گی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ میاں نظام الدین صاحب اگر ایک آیت بھی نکل آئے۔ تو ہم اپنے عقیدہ کو چھوڑنے کے لئے تیار ہیں۔ انہوں نے کہا خدا آپ پر رحم کرے۔ یہی بات میں لوگوں سے کہتا آ رہا ہوں۔ کہ مرزا صاحب

قرآن کے خلاف ایک قدم

بھی نہیں اٹھا سکتے۔ بہر حال اگر سو نہیں تو پچاس آئتیں تو میں ضرور لے آؤں گا۔ آپ نے پھر فرمایا ہماری طرف سے پچاس کی کوئی شرط نہیں اگر آپ ایک آیت بھی ایسی لے آئے تو بات صاف ہو جائے گی۔ اس پر انہیں خیال پیدا ہوا کہ شائد پچاس آئتیں بھی قرآن کریم میں نہ ہوں۔ اور میری بات غلط ہو جائے۔ اس لئے انہوں نے کہا اچھا اگر میں بیس آئتیں ایسی لے آیا جن سے حضرت مسیح زندہ ثابت ہوئے۔ تو کیا آپ اپنے

اس عقیدہ کو چھوڑ دیں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ میاں نظام الدین صاحب ہم نے کہہ تو دیا ہے۔ کہ اگر آپ ایک آیت بھی لے آئے تو ہم یہ عقیدہ چھوڑ دیں گے۔ انہوں نے یہ بات سنکر خیال کیا کہ ممکن ہے بیس آئتیں بھی نہ ہوں۔ اور میری بات غلط ہو جائے۔ اس لئے کہنے لگے اچھا بیس کو بھی چھوڑیئے۔ اگر میں دس آئتیں ایسی لے آؤں تو کیا آپ پھر بھی مان جائیں گے۔ وہ چونکہ بچپن سے یہی سنتے چلے آئے تھے۔ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ اس لئے انہوں نے خیال کیا کہ دس سے کم تو قرآن کریم میں اس کے متعلق آئتیں نہیں ہوں گی۔ آپ نے فرمایا ہماری طرف سے دس کی بھی کوئی شرط نہیں۔ آپ

ایک آیت ہی لے آئیں

ہم اسی ایک آیت کو تسلیم کر لیں گے۔

اس پر وہ خوش خوش قادیان سے بٹالہ پہنچے اور مولوی محمد حسین صاحب کا جا کر پتہ لیا۔ انہیں معلوم ہوا کہ مولوی صاحب لاہور گئے ہوئے ہیں۔ اتفاق کی بات ہے کہ انہی دنوں حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ جو جموں کے راجہ کے حکیم تھے۔ ایک مہینہ کی چھٹی لے کر لاہور آئے ہوئے تھے۔ اور اپنے داماد کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو جب یہ معلوم ہوا کہ آپ لاہور آئے ہوئے ہیں۔ تو انہوں نے جھٹ اشتہار دے دیا کہ میرے ساتھ

حیات و وفات مسیح

پر بحث کر لی جائے۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں اشتہار شائع کیا۔ پھر اس کا جواب الجواب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے لکھا۔ اور پھر اس کا جواب حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے دیا۔ غرض دس پندرہ دن اسی میں گذر گئے۔ اور کوئی معاملہ طے ہونے میں نہ آیا۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔ کہ اس مسئلہ پر قرآن کریم کی رو سے بحث ہونی چاہیئے۔ اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی یہ کہتے تھے۔ کہ اس مسئلہ پر حدیثوں کے لحاظ سے بحث ہونی چاہیئے۔ جب جھگڑا لمبا ہو گیا تو بعض دوستوں نے کہا کہ اس طرح تو بلا وجہ وقت ضائع ہو رہا ہے۔ کسی نہ کسی بات کا فیصلہ ہونا چاہیئے۔ تاکہ اصل بحث شروع ہو۔ چنانچہ انہوں نے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا آپ کوئی بھی حدیث ماننے کے لئے تیار ہیں یا نہیں۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے اس جھگڑے کو نپٹانے کے لئے کہا۔ کہ اچھا قرآن کے علاوہ اگر آپ

بخاری پیش کرنا چاہیں

تو وہ بھی پیش کر سکتے ہیں۔ اب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بڑے خوش ہوئے کہ میں نے اپنی بات آخر منوا لی۔ وہ اہل حدیث تھے۔ اور طبعاً انہیں اس بات پر خوشی ہونی چاہیئے تھی۔ کہ اور نہیں تو کم از کم بخاری کو پیش کرنا تو انہوں نے تسلیم کر لیا ہے۔ وہ چینیاں والی مسجد کے امام بھی تھے۔ ایک دن مسجد میں بیٹھے بڑے فخر سے بیان کر رہے تھے۔ کہ نورالدین رضی اللہ عنہ سارے ہندوستان میں مشہور ہے۔ اور بڑا عالم فاضل مانا جاتا ہے۔ لیکن میرے مقابلہ میں آیا تو اسے اپنے گھٹنے ٹیک دینے پڑے۔ وہ کہتا تھا کہ صرف قرآن سے اس مسئلہ پر بحث کرو۔ حدیث کی طرف آنے کا وہ نام نہیں لیتا تھا۔ میں بار بار اسے اس طرف لاتا۔ مگر وہ ادھر آنے کا رخ ہی نہیں کرتا تھا۔ آخر اس نے یوں بھاگنے کی کوشش کی اور

میں نے اسے یوں پکڑا

پھر اس نے اس طرح بچنے کی کوشش کی۔ اور میں نے اسے یوں رگیدا۔ پھر اس نے یہ بہانہ بنایا اور میں نے اسے یوں گردن سے مروڑا۔ اور آخر میں نے اس سے منوا لیا۔ کہ قرآن کے علاوہ بخاری بھی پیش کی جا سکتی ہے۔ جب وہ بڑے زور سے یہ بیان کر رہے تھے۔ کہ میں نے نورالدین رضی اللہ عنہ کو یوں رگیدا اور اس طرح رگڑا اور اس طرح چاروں شانے چت گرایا۔ کہ ان کی بدقسمتی سے عین اسی وقت میاں نظام الدین صاحب وہاں جا پہنچے اور بے تکلفی سے مولوی صاحب سے کہنے لگے۔ کہ مولوی صاحب میں نے آپ کو بڑا سمجھایا ہے کہ آپ جوش میں نہ آیا کریں۔ مگر آپ پھر بھی جوش میں آ جاتے ہیں۔ بھلا نورالدین رضی اللہ عنہ کا اس میں کیا دخل ہے۔ میں قادیان گیا تھا۔ اور میں مرزا صاحب سے منوا آیا ہوں کہ اگر میں قرآن کریم کی

دس آئتیں

ایسی لے آیا جن سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات ثابت ہوتی ہو تو وہ میرے ساتھ شاہی مسجد میں آ کر اپنے عقیدہ سے توبہ کر لیں گے۔ اور سب لوگوں کے سامنے اس بات کا اقرار کر لیں گے۔ کہ میں جو کچھ کہا کرتا تھا وہ غلط تھا۔ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملتے وقت یہ بھی کہا تھا کہ اگر میں قرآن کریم سے دس آئتیں ایسی لے آیا تو آپ کو میرے ساتھ شاہی مسجد لاہور میں چل کر اپنے عقیدہ سے توبہ کرنی پڑے گی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ کہ بہت اچھا ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں) میاں نظام الدین صاحب نے اس واقعہ کو ان کے سامنے دہرایا۔ اور کہا کہ اس بحث کو بند کیجئے اور جلدی سے مجھے قرآن کریم کی دس آئتیں ایسی لکھ کر دے دیجئے۔ میں مرزا صاحب کو

شاہی مسجد میں

لا کر سب کے سامنے ان سے توبہ کروا دوں گا۔ اب ایک جس کا سارا فخر ہی اس بات پر تھا کہ نورالدین رضی اللہ عنہ قرآن کی طرف جاتا تھا۔ مگر میں اسے حدیثوں کی طرف لانا چاہتا تھا۔ اور آخر میں نے اسے اس طرح رگیدا اور مروڑا اور گرایا اور پچھاڑا کہ وہ حدیث کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو گیا۔ اس کے لئے اسی مجلس میں یہ بات بم کا ایک گولہ ثابت ہوئی۔ مولوی محمد حسین صاحب نے بڑے غصہ سے میاں نظام الدین صاحب کی طرف دیکھا اور کہا تمہیں کس احمق نے کہا تھا۔ کہ تم اس بحث میں کود پڑو۔ میں تین ہفتے سے بحث کر کر کے نورالدین کو حدیث کی طرف لایا تھا۔ تو پھر اس بحث کو قرآن کی طرف لے گیا۔ اب غصہ سے یہ فقرہ تو ان کے منہ سے نکل گیا مگر ایک

سچے مومن کے لئے

یہ فقرہ ایک تازیانہ سے کم نہیں تھا۔ میاں نظام الدین صاحب یہ بات سنتے ہی سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ اور دو تین منٹ تک خاموش بیٹھے رہے۔ پھر اٹھے اور کہنے لگے اچھا مولوی صاحب سلام

جدھر قرآن ہے ادھری ہم ہیں

اور یہ کہہ کر وہاں سے واپس آ گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کر لی۔ اب دیکھو ان کو قرآن پر اعتبار تھا اس لئے وہ قرآن کے پیچھے چل پڑے۔ اہل حدیث کو حدیث پر اعتبار ہوتا ہے۔ جب ان کے سامنے کوئی بات حدیث سے ثابت کر دی جائے۔ تو وہ فوراً اس کے پیچھے چل پڑتے

ہیں۔ ایک دوسرے مومن کو قرآن پر اعتماد ہوتا ہے۔ جب اس کے سامنے کوئی بات قرآن سے ثابت کردی جائے۔ تو وہ فوراً اس کو ماننے لگ جاتا ہے۔ بعض لوگوں کو کسی تجربہ کار انسان پر اعتماد ہوتا ہے۔ اس لئے جو کچھ وہ کہتا ہے۔ اسے وہ بلا دریغ ماننے لگ جاتے ہیں۔ بعض کو کسی نیک انسان پر اعتماد ہوتا ہے۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ وہ ایک کام کر رہا ہے تو وہ بھی ویسا ہی کام کرنے لگ جاتے ہیں۔ تم بھی

اپنی زندگیاں ایسی بناؤ

کہ سب لوگ تمہارے متعلق یہ کہیں کہ یہ لوگ جھوٹ نہیں بولتے۔ یہ دھوکا اور فریب نہیں کرتے نیکی اور پاکیزگی میں اپنی عمر بسر کرتے ہیں۔ اگر تم اپنے متعلق لوگوں کے دلوں میں یہ اعتماد پیدا کرلو تو نہ کوئی حکومت کسی کو تمہارے پاس آنے سے روک سکتی ہے نہ کوئی پارٹی تمہاری آواز کو دبا سکتی ہے۔ نہ لوگوں کے باہمی معاہدات تمہیں کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ محض زبانی تبلیغیں ان کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ جن کے عمل مشتبہ ہوں۔ زبانی تبلیغیں ان کے لئے ضروری ہوتی ہیں جن کے اندر رشد اور ہدایت پر قائم رہنے والے آدمی موجود نہ ہوں۔ زبانی تبلیغیں ان کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ جن کے اندر خدا تعالےٰ کے انوار موجود نہ ہوں۔ جن کے ساتھ

خدا کا تعلق ہو

جو اپنے نیک نمونہ سے لوگوں کے دلوں کو گھائل کرچکے ہوں۔ جو اپنی نیکی اور تقویٰ کی وجہ سے۔ لوگوں کا اعتماد حاصل کرچکے ہوں۔ جو اٹھتے اور بیٹھتے شرافت اور دیانت کا ایک مجسمہ ہوں۔ ان کا ہر قدم تبلیغ ہوتا ہے۔ ان کا ہر لفظ تبلیغ ہوتا ہے۔ ان کی ہر حرکت تبلیغ ہوتی ہے۔ ان کا ہر سانس تبلیغ ہوتا ہے اور دنیا کی کوئی طاقت لوگوں کو ان کے نیک اثر سے محروم نہیں کر سکتی۔ وہ لوگ جو ان کی بات سننا تک گوارا نہیں کرتے۔ وہ لوگ جو ان کی شکل دیکھ کر بھاگ جاتے ہیں۔ وہ بھی ان کے نمونہ کو دیکھ کر ان کے پاؤں پکڑ کر برکت حاصل کرنے کے خواہشمند ہو جاتے ہیں۔ پس اپنے نمونہ اور عمل سے اپنے آپ کو ایسا بناؤ۔ کہ تم اپنی ذات میں ایک

مجسم تبلیغ بن جاؤ

جس طرح سورج کو دیکھنے کے بعد انسان کے لئے کسی دلیل کی احتیاج باقی نہیں رہتی۔ اسی طرح جب کوئی شخص تم کو دیکھ لے۔ تو وہ یہ یقین ہی نہ کرسکے کہ مرزا صاحب جھوٹے تھے۔ تم اپنی وہی حالت بناؤ جو منشی روڑے خاں صاحب مرحوم کی تھی۔ ایک دفعہ لوگ ان کے پاس آئے اور انہوں نے کہا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب یہاں آئے ہوئے ہیں۔ آپ بھی چلکر ان سے بات کریں۔ منشی روڑے خاں صاحب کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آپ کے دعوے سے بھی پہلے کے تعلقات تھے۔ جب وہ ان کی مجلس میں گئے۔ تو مولوی ثناء اللہ صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف پانچ دس منٹ تک تقریر کی۔ اور بتایا کہ فلاں فلاں دلیل سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ حضرت مرزا صاحب سچے نہیں تھے۔

منشی روڑے خاں صاحب

ان کی تقریر سنتے رہے۔ جب وہ خاموش ہوئے تو کہنے لگے مولوی صاحب بات اصل میں یہ ہے کہ آپ نے مرزا صاحب کو نہیں دیکھا۔ اور میں نے آپ کو دیکھا ہوا ہے۔ وہ منہ جھوٹوں والا نہیں تھا۔ انہوں نے پھر پانچ دس منٹ تقریر کی۔ اور آپ کے خلاف اور دلیل پیش کی۔ جب وہ تقریر کرکے بیٹھ گئے تو منشی روڑے خاں صاحب نے پھر کہا کہ مولوی صاحب آپ مجبور ہیں۔ کیونکہ آپ نے مرزا صاحب کو نہیں دیکھا۔ لیکن میں نے ان کو دیکھا ہے۔ وہ منہ جھوٹوں والا نہیں تھا۔ مولوی صاحب نے پھر تیسری دفعہ تقریر کی۔ اور آدھ گھنٹہ تک تقریر کرتے رہے۔ مگر منشی روڑے خاں صاحب نے پھر یہی کہا کہ مولوی صاحب آپ کی دلیلیں بالکل بے کار ہیں۔ آپ کتابوں کی طرف جاتے ہیں۔ اور میں اپنی آنکھوں کی طرف جاتا ہوں میں نے انکو دیکھا ہوا ہے اور میں جانتا ہوں کہ

وہ منہ جھوٹوں والا نہیں تھا

اس شاہد کے بعد آپ کی دلیلیں مجھ پر کیا اثر کرسکتی ہیں۔ آپ ہزار دلیلیں دیں۔ میرے نزدیک ان کی کوئی قیمت نہیں۔ کیونکہ میں نے آپ کو دیکھا ہوا ہے۔ اب دیکھو ان کے نزدیک سب سے بڑی دلیل آپ کی صداقت کی یہی تھی۔ کہ انہوں نے آپ کو دیکھ کر پہچان لیا تھا۔ کہ یہ شخص جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ اب اس یقین کے بعد خواہ کسی کے سامنے لاکھ دلائل رکھ دو وہ ان کو اٹھا کر پرے پھینک دے گا۔ اور یہی کہیگا کہ سب باتیں غلط ہیں۔ جس شخص کو میں نے دیکھا ہوا ہے وہ جھوٹا نہیں ہوسکتا۔

ہمارے ہاں ایک نوکر تھا

جس کا نام "پیرا" تھا۔ درحقیقت وہ بیمار ہوکر قادیان آیا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کا علاج کیا۔ اور وہ اچھا ہوگیا۔ اس بات کا اس پر ایسا اثر ہوا کہ پھر وہ اپنے وطن کی طرف گیا ہی نہیں قادیان میں ہی رہ گیا۔ ان دنوں بٹالہ تک ریل پر سفر کرنا پڑتا تھا۔ اور اس کے بعد تانگوں پر لوگ قادیان جاتے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام جب کوئی بلٹی وغیرہ آتی۔ تو آپ عموماً پیرے کو ہی بلٹی لینے کے لئے بٹالہ بھجوا دیا کرتے تھے۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کی عادت تھی کہ وہ گاڑی کے اوقات میں عموماً سٹیشن پر پہنچ جاتے۔ اور جب دیکھتے کہ گاڑی سے کوئی ایسا شخص اترا ہے۔ جو قادیان جانا چاہتا ہے۔ تو اس سے باتیں شروع کردیتے۔ اور پھر اسے روکنے کی کوشش کرتے اور کہتے کہ وہاں جا کر کیا لوگے وہ تو محض دھوکا اور فریب ہے۔ ایک دن اتفاقاً گاڑی سے کوئی احمدی نہ اترا یا اگر اترا تو ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ وہ ادھر ادھر پھر رہے تھے کہ انہوں نے

پیرے کو دیکھ لیا

چونکہ لوگوں کو روکنے کی عادت پڑی ہوئی تھی انہوں نے پیرے کو ہی بلایا اور کہا پیرے تم قادیان میں کیوں رہتے ہو۔ مرزا صاحب تو بالکل جھوٹا دعوےٰ کر رہے ہیں۔ اس نے کہا مولوی صاحب مجھے تو مذہب کا کچھ پتہ نہیں۔ میں تو گنٹھیا سے بیمار تھا قادیان آیا اور حضرت مرزا صاحب نے علاج کیا۔ جس سے میں اچھا ہوگیا۔ اس کے بعد میں اپنے گھر واپس نہیں گیا۔ انہی کے پاس رہنے لگ گیا مگر مجھے دین کا اب تک کچھ پتہ نہیں۔ مجھے کوئی دلیل نہیں آتی۔ مولوی صاحب نے پھر اسپر زور دیا کہ آخر تم ایک اسلام کے دشمن کے پاس کیوں ٹھہرے ہوئے ہو آخر تنگ آکر پیرے نے کہا کہ مولوی صاحب میں اور تو کچھ جانتا نہیں۔ لیکن میری آنکھیں ہیں۔ اور میں نے ایک بات خوب اچھی طرح دیکھی ہے اور وہ یہ کہ آپ روزانہ سٹیشن پر آتے ہیں اور جو لوگ قادیان جانے کے لئے یہاں اترتے ہیں۔ آپ ان سے ملتے ہیں اور انہیں

ورغلانے کی کوشش

کرتے ہیں اور کہتے ہیں دیکھنا مرزا صاحب کے پاس نہ جانا۔ وہ بڑے گندے اور فریبی انسان ہیں۔ اگر تم وہاں گئے۔ تو تمہارا ایمان خراب ہوجائیگا۔ یہ طریق آپ نے مدتوں سے اختیار کر رکھا ہے۔ آپ روزانہ سٹیشن پر آتے ہیں۔ اور ان آدمیوں کی تلاش کرتے ہیں جو قادیان جانے والے ہوتے ہیں۔ اور شاید آپکی اب تک کئی جوتیاں اس کوشش میں گھس گئی ہوں گی۔ لیکن لوگ آپ کی بات پھر بھی نہیں مانتے۔ دوسری طرف میں دیکھتا ہوں۔ کہ مرزا صاحب اپنے گھر میں بیٹھے رہتے ہیں۔ اور لوگ ان سے ملنے کے لئے گھنٹوں ان کے دروازہ پر انتظار کرتے رہتے ہیں۔ اور اس انتظار میں وہ ایک خوشی اور لذت محسوس کرتے ہیں۔

آخر کوئی تو بات ہے

کہ باوجود اس کے کہ وہاں نہ ریل جاتی ہے۔ اور نہ پختہ سڑک جاتی ہے۔ پھر بھی لوگ مرزا صاحب کی طرف دوڑے چلے جاتے ہیں۔ اور وہ کسی تکلیف کی پرواہ نہیں کرتے۔ اب دیکھو وہ ایک جاہل آدمی تھا۔ ان پڑھ تھا۔ لیکن اس دلیل کو وہ بھی سمجھتا تھا۔ کہ خدا لوگوں کو پکڑ پکڑ کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دروازہ پر لا رہا ہے۔ اور جس کے آگے خدا لوگوں کو خود کھینچ کر لے آئے۔ اس کی طرف آنے سے کسی کو کون روک سکتا ہے۔ پس تم اپنے عمل سے

اپنے آپ کو ایسا بناؤ

کہ دنیا تمہارے پیچھے چلنے پر مجبور ہو۔ دنیا تم سے محبت کرنے پر مجبور ہو۔ دنیا تمہارے سایۂ عاطفت میں پناہ لینے پر مجبور ہو۔ جس طرح اگر کسی جنگل میں سے لوگ گذر رہے ہوں۔ اور اس جنگل میں کوئی خطرناک شیر رہتا ہو۔ تو لوگ سمٹ کر کسی زبردست شکاری کی پناہ میں چلے جاتے ہیں۔ اسی طرح دنیا سمجھ لے۔ کہ ہر جگہ

آفتیں اور مصیبتیں

نازل ہوتی ہیں۔ مگر جہاں تم کھڑے ہو۔ وہاں کوئی مصیبت آسمان سے نازل نہیں ہوتی۔ اگر تم ایسا مقام حاصل کرلو۔ تو دنیا تمہاری طرف آنے پر خود بخود مجبور ہو جائے گی۔ اگر کسی جگہ آگ کی بارش ہو رہی ہو۔ اور صرف ایک مقام ایسا ہو۔ جو اس آگ کی بارش سے محفوظ ہو۔ اور اس وقت کوئی عورت اپنے بچہ کو لے کر آجائے۔ تو کیا تم سمجھتے ہو۔ کہ دنیا کی کوئی حکومت اور دنیا کی کوئی طاقت اس عورت کو وہاں آنے سے روک سکتی ہے۔ نہ حکومتیں اسے روک سکتی ہیں۔ نہ فوجیں اسے روک سکتی ہیں۔ نہ پولیس اسے روک سکتی ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتی ہے۔ کہ میرا بچہ اس وقت تک نہیں بچ سکتا۔ جب تک میں اس جگہ نہ جاؤں۔ پس اپنے اندر وہ روح پیدا کرو۔ جو سچے مومنوں میں ہونی چاہیئے۔

تم دیکھو گے

کہ خدا آپ ہی آپ ساری دنیا کو تمہارے قدموں میں سمیٹ کر لے آئیگا۔ تب تمہاری کامیابی میں کوئی شبہ نہیں ہوگا۔ اور تمہارے پاس آنے سے لوگوں کو روکنے والا سوائے حسرت اور خسران کے اور کچھ حاصل نہیں کرسکے گا۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۴۱۱